نقیبِ ختمِ نبوت

ماہنامہ — ملتان

ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
اگست ۱۹۹۶ء

نقالوں سے ہوشیار رہیئے!

ممبرانِ اسمبلی کی کارکردگی اور مراعات — پڑھتا جا شرماتا جا

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد کے واقعات

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے علمی امتیازات

تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت ۱۹۵۳ء — ایمان پرور یادیں، خوبصورت باتیں

تضاداتِ مرزا قادیانی

شرابی چوہدری

مرزا کادیاں والا

ماتمِ انسانیت

انسان کی سوئی ہوئی سبعیت و بہیمیت پھر جاگ اٹھی ہے، وہ اشرف المخلوقات کہ صورت سے آدمی مگر خواہشوں میں بھیڑیا، محل سراؤں میں متمدّن انسان، مگر میدانوں میں جنگلی درندہ اور اپنے ہاتھ پاؤں سے اشرف المخلوقات، مگر اپنی روح بہیمی میں دنیا کا سب سے زیادہ خونخوار جانور ہے، اب اپنی خوں ریزی کی انتہائی شکل اور اپنی مردم خوری کے سب سے زیادہ برے وقت میں آگیا ہے۔ وہ کل تک اپنے کتابوں کے گھروں اور علم و تہذیب کے دارالعلوموں میں انسان تھا، پر آج چیتے کی کھال، اس کے چمڑے کی نرمی سے زیادہ حسین اور بھیڑئیے کے پنجے اس کے، دندانِ تبسم سے زیادہ نیک ہیں۔ درندوں کے بھٹ اور سانپوں کے جنگلوں میں امن و راحت ملے گی، مگر اب انسانوں کی بستیاں اور اولادِ آدم کی آبادیاں راحت کی سانس اور امن کے تنفس سے خالی ہو گئی ہیں، کیونکہ وہ جو خدا کی زمین پر سب سے اچھا اور سب سے بڑھ کر تھا، اگر سب سے برا اور سب سے کمتر ہو جائے تو، جس طرح اس سے زیادہ کوئی اور نیک نہ تھا، ویسا ہی اس سے بڑھ کر اور کوئی برا بھی نہیں ہو سکتا۔ شیر خوں خوار ہے، مگر غیروں کے لئے، سانپ زہریلا ہے مگر دوسروں کے لئے چیتا درندہ ہے، مگر اپنے سے کمتر جانوروں کے لئے، لیکن انسان دنیا کی اعلیٰ ترین مخلوق، خود اپنے ہی ہم جنسوں کا خون بہاتا اور اپنے ہی ابنائے نوع کے لئے درندۂ خونخوار ہے۔ انسان ہی ہے، جو فرشتوں سے بہتر ہے، اگر اپنی قوتوں کو امن و سلامتی کا وسیلہ بنائے اور انسان ہی ہے، جو سانپ کے زہر اور بھیڑئیے کے پنجے سے بھی زیادہ خونخوار ہے، اگر راہِ امن و سلامتی کو چھوڑ کر بہیمیت اور خونخواری پر اتر آئے۔

(مولانا ابوالکلام آزاد، نگارشاتِ آزاد)

ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوّت ملتان

رجسٹرڈ نمبر ایل ۸۷۵۵

ربیع الاول ۱۴۱۷ھ، اگست ۱۹۹۶ء جلد ۷، شمارہ ۸ قیمت ۱۲/ روپے

زیرِ سرپرستی

حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ

مجلسِ ادارت

رئیس التحریر: سید عطاء المحسن بخاری

مدیر مسئول: سید محمد کفیل بخاری

رفقاءِ فکر

مولانا محمد عبدالحق مدظلہ
حکیم محمود احمد ظفر مدظلہ
ذوالکفل بخاری ○ قمر الحسنین
شمس الاسلام بہاری ○ ابوسفیان تائب
محمد عمر فاروق ○ عبداللطیف خالد
خادم حسین سید خالد مسعود

زرِ تعاون سالانہ

اندرون ملک ۱۲۰/ روپے ○ بیرون ملک ۱۰۰۰/ روپے پاکستانی

رابطہ

دارِ بنی ہاشم، مہربان کالونی، ملتان۔ فون: ۵۱۱۹۶۱

تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوّت (شعبۂ تبلیغ) مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان

ناشر: سید محمد کفیل بخاری، طابع: تشکیل احمد اختر، مطبع: تشکیل نو پرنٹرز، مقام اشاعت: دارِ بنی ہاشم ملتان

آئینہ

دل کی بات:	اداریہ	مدیر	۳
قلم برداشتہ:	نقالوں سے ہوشیار رہئیے!	سید عطاء المحسن بخاری	۵
شخصیت:	امیر شریعت کے علمی امتیازات	مولانا محمد سعید الرحمن علوی	۷
مقالہ:	اسلام کا عقیدۂ حاکمیت	پروفیسر خالد شبیر احمد	۱۱
ماضی کے جھروکے سے:	تحریک تحفظ ختم نبوت ۱۹۵۳ء	محمد یعقوب اختر، شیخ عبدالمجید	۲۱
ردِ مرزائیت:	تحریک تحفظ ختم نبوت ۱۹۵۳ء	جناب بشیر احمد اسبطین لکھنوی	۲۷
ناقابلِ تردید:	تضادات مرزا قادیانی	مولانا مشتاق احمد	۳۲
طنز و مزاح:	زبان میری ہے بات ان کی	ساغر اقبالی	۳۷
تاریخ و تحقیق:	حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد کے واقعات	مولانا عبدالحق	۳۸
حسنِ انتخاب:	سنتا جا، شرماتا جا	سکندر حمید لودھی	۴۱
حاصلِ مطالعہ:	نسخۂ کیمیا	سیدہ مریم گیلانی	۴۴
نقطۂ نظر:	مولانا فضل الرحمن، حالات کے آئینہ میں	سیف اللہ بیقرار	۴۶
زبانِ خلق	حلقۂ احباب	قارئین کے خطوط	۵۴
ترحیم:	مسافرین آخرت	ادارہ	۵۵
شاعری (نظم):	جرأت تری.....	شورش کاشمیری	۵۶
" " :	سیاسی مولوی	قمر الحسنین	۵۷
" " :	رنگ چمن	پروفیسر محمد اکرام تائب	۵۸
" " :	شرابی جو ہے	خادم حسین	۶۰
" " :	مرزا کادیاں والا	سید کاشف گیلانی	۵۹
" " :	کتنی بدلی ہے زمانے کی...	صومعی کاشمیری	۶۱

دل کی بات

اس حقیقت کا اظہار اب برملا کیا جارہا ہے کہ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو ہم سفید انگریز سے آزاد ہوئے اور ۱۵ اگست کو "کالے انگریز" کی غلامی کا شکار ہو گئے۔ آزادی کا وہ خواب جو برِ صغیر کے مسلمانوں نے جدوجہدِ آزادی کے دوران دیکھا تھا کرچی کرچی ہو گیا۔ سب ارمان ٹوٹ گئے اور ساری امیدیں مایوسی میں تحلیل ہو کر رہ گئیں۔

اب کہ ۱۹۹۶ء ہے اور ہماری موجودہ حکومت ۱۴ اگست کو پچاسواں یومِ آزادی منا رہی ہے۔ ہم نصف صدی کا سفر تو طے کر آئے ہیں لیکن منزل ہنوز نظروں سے اوجھل ہے، ہم بے آب و گیاہ صحرا میں بھٹک رہے ہیں اور راستہ سجھائی نہیں دیتا۔

تحریکِ پاکستان عروج پر تھی تو اس کے قائدین کہہ رہے تھے۔

"لے کے رہیں گے پاکستان، بن کے رہے گا پاکستان"

پھر قائدین نے کہا کہ "پاکستان برصغیر کے مسلمانوں کے لئے جنت ہو گا۔ اس پاکستان میں اسلام کا جھنڈا لہرائے گا۔ قرآن کا قانون ہو گا۔"

اور دیکھتے ہی دیکھتے پاکستان کا نعرہ برصغیر کے مسلمانوں کے دل کی آواز بن گیا اور پاکستان بن گیا۔ ان پچاس برسوں میں مظلوم مسلمانوں نے کیا کھویا اور کیا پایا؟ یہ کہانی بڑی تلخ اور کربناک ہے اجمال میں کہیں تو......ع

چمن کے رنگ و بو نے اس قدر دھوکے دیئے مجھ کو
کہ میں نے شوقِ گل بوسی میں کانٹوں پہ زباں رکھ دی

تفصیل میں جائیں تو...... کارِ جہاں دراز ہے۔

پاکستان کے حکمرانوں اور سیاست دانوں نے ملی بھگت کر کے اس جنت کو جہنم کدہ بنا دیا۔ قرآن کا قانون نافذ کرنے کی بجائے قرآن کی توہین کی۔ اسلام کا جھنڈا لہرانے کی بجائے، بے دینی اور دین دشمنی کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ دوسرے لفظوں میں اللہ کے خلاف کھلی جنگ اور بغاوت کا اعلان کر دیا۔ قومی خزانہ لوٹا، بے حیائی، عریانی، فحاشی اور بد معاشی کو تہذیبی ورثہ قرار دے کر تحفظ فراہم کیا اور ایک مثالی بد دیانت معاشرہ تشکیل دیا۔ بد دیانتی اتنی عام ہوئی کہ موجودہ صدرِ مملکت کو اپنی تقریر میں کہنا پڑا کہ "کرپشن عام ہو گئی ہے حکومت اسے ختم کرنے کی تدبیر کرے" جس حکومت نے قومی خزانہ لوٹ کر سرے میں "راک وڈ محل" خریدا غیر ملکی بینکوں میں دولت جمع کی، قوم کو ناقابلِ برداشت جبری ٹیکسوں کے بوجھ تلے بری طرح دبا دیا، وہ کرپشن کیسے ختم کر سکتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ سب کچھ صدر مملکت کے علم میں نہیں ہے؟ اگر ہے تو وہ خاموش کیوں ہیں؟ صرف ان کے زبانی کہنے سے تو کرپشن ختم نہیں ہو گی۔ اور صدرِ مملکت کی خاموشی بھی تو

اس کرپشن کو تحفظ دینے کے مترادف ہے۔ کرپشن کی صورت حال تو یہ کہ وہ پاکستان جو پچپن ہزار بیٹیوں کی عزتیں قربان کر کے حاصل کیا گیا تھا آج حکمرانوں نے اُسی پاکستان کو فروخت کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ پہلے مشرقی پاکستان کو اپنی شخصی اور مفاداتی سیاست کی بھینٹ چڑھایا اور اب بچے کھچے پاکستان کو بھی داؤ پر لگائے بیٹھے ہیں ۔ گوادر کے ساحل پر "ویسٹ بے سٹی" کے نام سے خود مختار ریاست معرض وجود میں آرہی ہے۔ ہفت روزہ تکبیر کراچی کے یکم اگست کے شمارہ میں اسکی جو تفصیلات سامنے آئی ہیں انہیں پڑھ کر ہر محب وطن پاکستانی کا دل خون کے آنسو رو رہا ہے۔ ان حالات میں ہر پاکستانی کا فرض بنتا ہے کہ وہ ارضِ پاکستان کی حفاظت کے لئے کمر ہمت باندھ لے اور پاکستان کو غیر ملکی دلال حکمرانوں اور سیاست دانوں سے نجات دلانے کے لئے اپنی ساری توانائیاں صرف کر دے۔

* *

(بقیہ از ص ۵۳)

بھی وقت ہے کہ ہمارے مذہبی پیشواء اپنا احتساب کر کے حالات سدھارنے کی جانب توجہ دیں۔ کل مولانا سمیع الحق اور قاضی عبداللطیف عوامی تکریم سے عاری ہوئے۔ آج فضل الرحمان اور قاضی حسین احمد اپنی غیر واضح پالیسی کے سبب عوامی تائید وحمایت سے محروم ہوتے جا رہے ہیں۔ انہیں سوچنا چاہیئے کہ انہوں نے کیا کھویا اور کیا پاکر اسلام کو کس قدر نقصان پہنچایا۔ جہاں تک مولانا فضل الرحمان کا تعلق ہے۔ تو مقامی سطح پر ان کی مقبولیت کا گراف منفی زیرو (صفر) کو چھونے لگا ہے۔ حضرت خواجہ خان محمد صاحب (خانقاہ سراجیہ کندیاں) سمیت فرزندانِ بخاری و درخواستی، اجمل خان و اجمل قادری، مولانا منظور احمد چنیوٹی اور مولانا موسیٰ خان و ایوب جان بنوری کا فرض بنتا ہے کہ وہ جمیعت العلماء اسلام کے مستقبل کو محفوظ بنانے کی خاطر اپنا کردار ادا کریں وگرنہ وہ جماعت جسے علماء دیوبند نے خون جگر سے پروان چڑھایا تھا۔ جس کے تشخص کو ابھارنے کے لئے حضرت نانوتوی، گنگوہی، تھانوی اور حسین احمد مدنی رحمہم اللہ علیہم نے بے پناہ مصائب جھیلے اور صعوبتیں برداشت کیں آج فرزندِ محمود اسکی جڑیں کاٹنے میں مصروف ہے۔ اور پوری جماعت کو ذاتی مفادات کی بھینٹ چڑھا رہا ہے۔ فاعتبروا یااولی الابصار!

فرمودہ فاروق اعظمؓ

جب حلال و حرام جمع ہوں تو حرام غالب آتا ہے اگرچہ تھوڑا سا ہی ہو۔

قلم برداشتہ

سید عطاء المحسن بخاری

نقالوں سے ہوشیار رہیئے!

نقل کرنے والے لوگ نقلی کہلاتے ہیں، اصلی نہیں۔ نقل کرنے والے کی چال ہی بے ڈھنگی ہوجاتی ہے جو اس کے نقلی ہونے کی چغلی کھاتی ہے۔ نقلی کا چہرہ زرد صحافت کی طرح زرد ہوتا ہے اور پھر زرد ہی رہتا ہے اور چہرہ زرد کی زردی ہی اس کی شناخت بن جاتی ہے۔ آپ نے کمرہ امتحان کے نقلیوں کو دیکھا ہوگا۔ ان کا رنگ ڈھنگ بھی دیکھا ہوگا۔ وہ طالب نقل بالکل نقلی "طالب علم" لگتے ہیں۔ طالب علم ہوتے نہیں بن بیٹھتے ہیں۔ ان کے پاس پسٹل، موزر، خنجر اور کلاشنکوف بردار معاون مددگار ہوتے ہیں لیکن با ایں ہمہ طالب نقل ہوتا ہے پہلے غراتا ہے پھر فائر کھولتا ہے پھر دولت کا منہ کھول دیتا ہے اور جب ان دونوں ابلیسی حربوں سے کام نہیں بنتا تو پھر کمینے جاگیردار اور سرمایہ دار کی طرح "لچکیلا" ہو جاتا ہے "مک مکا" کرتا ہے۔ زمین بھی سونگھنے کے لئے آمادہ ہوجاتا ہے۔ ارباب اختیار کے دفتر و مکان کے چکر لگاتا ہے۔ اور آخر کار چکری بن جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح آج کل کے سیکولر اور لبرل کہلانے والے دانشور لوگ بھی اصلی سیکولر اور لبرل نہیں ہوتے۔ یہ بھی نقلی سیکولر اور لبرل ہوتے ہیں بلکہ یہ تو نقلچی بن جاتے ہیں۔ رخ نازیبا کو الٹے اُسترے سے استری کرتے اور نیم استری بن جاتے ہیں۔ شرٹ، نکٹائی، نقلی لباس، اصلی جسم پر اٹکاتے لٹکاتے ہیں اور ہوٹلوں، کلبوں، فٹ پاتھوں، نائیوں کی دکانوں، ٹرکوں کے اڈے کے چائے فروشوں کے دوارے بیٹھ کر علم، ادب، شعر، فلسفہ، جمہوریت اور جدیدیت کی گتھیاں سلجھانے، مولوی کو بے نقط سنانے اور آخر میں سیاست کو دانش وری بگھار لگانے کے بعد بھیگی رات میں گھروں کو لوٹتے ہیں۔ باپ، ماں سے لفظی تاجپوشی کرواتے ہیں۔ پھر منہ میں سگریٹ لے کر لمبے لمبے کش لگاتے ہیں۔ اگر شادی شدہ بلکہ "شدہ شدہ" ہوں تو بیگم صاحبہ بت ناز کی طرح ان پر طنز کرتے ہوئے برس پڑتی ہیں اور سگریٹ کے مرغولوں میں گھرے ہوئے نقلی آدمی، نقلچی دانشور کو کوستی کھڑکاتی، دڑکاتی اور دھتکارتی ہوئی "گویاتی" ہیں۔

مجھ کو روٹی چاہیے اور تجھ کو خالی واہ واہ

ایسے ہی وہ "بڈھیاں" جو یورپ کی بڈھی کی نقل میں ویمنز فریڈم فورم میں نئے سرے سے جوان ہوتی ہیں اور ہمیشہ جوان رہنے کے لئے مردوں سے مقابلہ کرتی ہیں۔ پاکستانی بڈھیوں کے لئے نئے نئے فورم گھڑتی ہیں اور انہیں "سروس اسٹیشن" (بیوٹی پارلر) سے گزارتی ہیں۔ وہ بالکل بھول جاتی ہیں کہ "نقل راہم عقل باید"! یورپ کی بڈھی نے تو باپ، ماں، بہن، بھائی اور آخر میں خاوند سے آزادی حاصل کی، پھر دوستی میں ایسی اتارو ہوئی کہ غلام احمد (کادیانی) کو مات دے گئی۔ وہ بھی مردوں سے سیر ہو کر عورتوں سے دوستی پر یقین کرنے

لگا تھا۔ مگر یورپ کی عورت، عورتوں کی دوستی میں ہی مردوں پر بھی ہاتھ صاف کر گئی۔ اس نے بال کٹوائے، پردہ اتار پھینکا اور مردوں میں آنکھیں گاڑ کر باتیں کرنے لگی۔ خاوند ایک نہ رہا، چاہنے والے سینکڑوں کی تعداد میں ہو گئے۔ گویا ایک انار سو بیمار! خاوند منہ دیکھتے رہ گئے، کچھ خود کشی کرنے لگے، کچھ ہوموسیکسو یلیٹی کی طرف گھوم گئے۔ یورپ کی عورت گھر سے نکلی، چولہا چھوڑا، چوک میں آئی "لونگ گواچا" اور پھر گواچا لونگ ڈھونڈنے نکلی تو واپسی کا راستہ بھول گئی۔ اے پاکستانی عورت! ابھی تیرا خیال تاریک ہے۔ یورپ خصوصاً آکسفورڈ اور ہارورڈ ایسی مادرانِ علمی کی "مادر زادیاں" تو روشن رو، روشن خیال اور ترقی پسند بزنکیاں ہوتی ہیں۔ "روشنی" میں نہا نہا کر ان کا جو حال ہے وہ عیاں ہے۔ تیرا کیا حال ہوگا؟ "بی بی بچ موڑ توں"۔ اس "اندھے موڑ" سے آگے جو "بلیک ہول" ہے۔ اس میں سے تمہیں کون نکالے گا؟ جیسے یورپ کی "بڈھی" کہ اب اس سے نکلنا چاہتی ہے لیکن نکل نہیں سکتی۔ اس نے جہالت اور ظلمت کے زمانہ کی لونڈیوں اور طوائفوں کی نقل کی اور نقلی ہو کر رہ گئی۔

جھوٹے، جعلی، نقلی اور "نقل النقلی" رویوں اور نظریوں کے سہارے زندگی کریں تو کب تک؟ اقبال نے کہا تھا کہ۔

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیبِ حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

اور "جھوٹے نگوں" والی بے روح اور بے فیض زندگی کا انجام......؟ وہی جو چشمِ بے نور اور اشکِ بے تاثیر کا ہوا کرتا ہے

اشک بے تاثیر سے کہہ دو نہ ٹپکے آنکھ سے
جھوٹے موتی کی طرح بے آبرو ہو جائے گا

یہ خاتونِ خانہ کو خاتونِ خانہ خراب، کس کی نقالی نے بنایا؟ اے کاش! کوئی اس کو سمجھا سکتا کہ تجھے نقل کرنی ہے تو سیدہ عائشہؓ کی نقل کر۔ نقل ہی کرنی ہے تو سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کی نقل کر، کہ فرشتے بھی تیری پاک دامنی کی قسم کھائیں اور تجھے عفت کی چادر سے ڈھانپ دیں۔

بتولےؓ باش و پنہاں شو ازیں عصر
کہ در آغوشِ شبیرےؓ بگیری

احرار ختم نبوت سنٹر کی تعمیر

جدید مرکز احرار دار العلوم ختم نبوت اور احرار ختم نبوت سنٹر مقابل مرکزی مسجد عثمانیہ، معاویہ چوک، ھاؤسنگ سکیم چیچا وطنی۔ کی تعمیر کا کام جاری ہے ضلع ساہیوال بالخصوص علاقہ چیچاوطنی کے ساتھی خصوصی توجہ فرمائیں۔

دفتر احرار جامع مسجد بلاک نمبر ١٢ چیچا وطنی۔

• مولانا محمد سعید الرحمن علوی مرحوم

امیرِ شریعت سید عطاءاللہ شاہ بخاری کے علمی امتیازات

زیرِ نظر مضمون مولانا محمد سعید الرحمن علوی مرحوم کی یادگار تحریر ہے۔ جس میں انہوں نے حضرت امیرِ شریعت کی زندگی کے نہایت اہم گوشوں پر اظہارِ خیال کیا ہے۔
اگست ۱۹۹۶ء میں امیرِ شریعت کو ہم سے رخصت ہوئے پینتیس برس ہو رہے ہیں۔ انہی کی یاد میں ذیل کی تحریر ہدیۂ قارئین ہے (ادارہ)

اہلِ نظر کا کہنا ہے کہ متحدہ ہندوستان کے دورِ زوال میں ہر شعبۂ زندگی میں بڑے بڑے باکمال لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی صلاحیتوں سے کام لے کر برطانوی سلطنت کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں۔ ایک شعبہ خطابت کا بھی تھا جو ابلاغ کے لئے ایک مؤثر ذریعہ تھا۔ اس میں شک نہیں کہ ابلاغ کے لئے بہت حد تک آج میڈیا سے کام لیا جا رہا ہے پھر بھی خطابت کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں اور جس دور کے حوالہ سے ہم بات کر رہے ہیں۔ اس میں تو خطابت ہی خطابت تھی، ملت مسلمہ کی اس دور کی تاریخ میں ابوالکلام، سید سلیمان ندوی، علامہ شبیر احمد عثمانی، نواب بہادر یار جنگ کے پہلو بہ پہلو سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا نام اس شعبہ میں بڑا نمایاں ہے بلکہ ہوسکتا ہے کہ شاہ جی بہت سے حوالوں سے ایک ممتاز شخصیت کے مالک ہوں۔ ملک کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک ہر خطہ و علاقہ کی زبان میں اس خطہ و علاقہ کے محاوروں کا لحاظ کر کے اللہ تعالیٰ کی مخلوق تک اس کا پیغام پہنچانا اور ہر زبان کے لاتعداد اشعار اور ضرب المثال کو موتیوں کی طرح جڑنا شاہ جی کا ہی کام تھا۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ ابوالکلام، سید سلیمان، علامہ عثمانی، مولانا جوہر اور نواب بہادر یار جنگ سبھی شاہ جی کی خطیبانہ عظمت کے معترف تھے۔ ان کی خطابت کو موہبت الٰہی قرار دیتے اور برملا یہ کہتے کہ ان کی خطابت کے مقابلہ میں ہماری خطابت ایسے ہی ہے جیسے قورمہ کے مقابلہ میں چٹنی۔ لیکن میں آج کی صحبت میں شاہ جی کی علمی حیثیت کے حوالہ سے بات کرنا چاہتا ہوں کیونکہ خطابت کی دنیا میں بہت سے نام ایسے بھی مل جائیں گے جہاں لمبا چوڑا علم نہیں ہوگا اور اب تو گستاخی معاف خطابت نام ہی جہالت کا بن گیا ہے۔ آج بہت کم لوگ ایسے ہیں جنہیں خطابت کے ساتھ علم کی دولت میسر آئی ہے۔ اکثر نامور خطبا ایسے ہیں جن کا مبلغ علم چند قصص کی کتابیں ہیں اور بس۔ اس لئے آج کے دور میں کسی کی خطیبانہ عظمت کے ذکر کا مفہوم یہ ہے کہ وہ بے چارا علم سے کورا تھا۔ شاہ جی کی علمی عظمت کا کھلے بندوں اظہار و اعتراف ایشیا کی سب سے بڑی درسگاہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم قاری محمد طیب صاحب مرحوم نے خوب انداز میں کیا اور قاری محمد طیب صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ قرآن مجید کی الہامی تفسیر

میں شاہ جی کو کمال حاصل ہے بلکہ قاری صاحب کی خواہش تھی کہ جن اسرار و رموز قرآنی کا تذکرہ شاہ جی تقریروں اور نجی مجالس میں کرتے ہیں۔ اے کاش یہ صفحہ قرطاس پر منتقل ہو جائیں۔ شاہ جی کی علمی عظمت کا اظہار علماء کے ایک بڑے مجمع میں اس وقت ہوا جب ہمارے آبائی شہر بھیرہ کی شیر شاہی مسجد کے متولی کے حوالہ سے اختلاف پیدا ہوا، مجلس حزب الانصار کے بانی مولانا ظہور احمد بگوی اور ان کے برادر بزرگ مولانا محمد یحیٰ کے درمیان مسئلہ متنازعہ تھا۔ مولانا ظہور احمد نے اپنا ثالث شاہ جی کو تجویز کیا تو مولانا محمد یحیٰ نے معروف چشتی خانقاہ سیال شریف کے سجادہ نشین خواجہ قمر الدین کو...... خواجہ قمر الدین اس وقت کے سجادہ نشینان پنجاب میں سب سے بڑے عالم تھے۔ جنہیں سلسلہ خیر آباد کے بزرگ عالم مولانا معین الدین اجمیری کی شاگردی کا شرف حاصل تھا۔ ویسے خواجہ صاحب اپنی علمی سند کے حوالہ سے بڑے فخر سے فرماتے کہ میری سند میں مولانا محمد قاسم نانوتوی کا اسم گرامی ہے جنہوں نے پیغمبر اسلام کی تعریف میں وہ نکات بیان کئے کہ مولانا کے بڑے بڑے نکتہ چینوں کی فکران کے گرد راہ کو نہیں پہنچ سکتی۔

میرے والد گرامی مولانا محمد رمضان علوی کے بقول اس نزاع کے فیصلہ کے لئے سرگودھا شہر کی جامع مسجد میں اجلاس ہوا۔ ضلع شاہ پور (اب سرگودھا) کے علاوہ دوسرے مقامات کے جید علماء اور فریقین کے ہمدرد بڑی تعداد میں موجود تھے۔ مسئلہ اس قسم کا تھا کہ فقہی سرمایہ پر گہرا عبور رکھنے والا شخص ہی اس پل کو عبور کر سکتا تھا۔ جبکہ شاہ جی کے متعلق ایک فقید المثال خطیب کی شہرت تھی لیکن مولانا ظہور احمد بگوی جیسے ذہین شخص نے اپنے شیخ طریقت مولانا احمد خان نقشبندی مجددی کے اشارہ سے شاہ جی کا جو انتخاب کیا تھا وہ بلاوجہ نہ تھا۔ ہمیں اعتراف ہے کہ حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی ایک بہت پختہ کار اور جید عالم تھے۔ لیکن یہ بات تاریخ میں محفوظ ہے کہ شاہ جی نے کتب فقہ وفتاویٰ کی روشنی میں اپنے مؤکل کا مقدمہ اتنی خوبصورتی سے لڑا کہ فیصلہ مولانا ظہور احمد کے حق میں ہوا اور پھر مولانا ظہور احمد اپنی ساری زندگی شیر شاہی مسجد بھیرہ کے متولی اور خطیب رہے۔ چونکہ وہ خود اولاد سے محروم تھے۔ اس لئے ان کے بعد ان کے برادر بزرگ مولانا نصیر الدین کے فرزند مولانا افتخار احمد جانشین ہوئے اور اب ان کے فرزند برادر عزیز ابرار احمد بگوی اس منصب پر فائز ہیں۔ اس فیصلہ کے نتیجہ میں شاہ جی کی علمی دھاک بیٹھ گئی اور بالخصوص شمالی پنجاب میں اس فیصلہ اور شاہ جی کے علمی دلائل کا زبردست چرچا ہوا۔

شاہ جی کے حوالہ سے اور ان کی علمی عظمت کے حوالہ سے ایک اور بات کی طرف بھی توجہ دلانا ضروری ہے اور وہ یہ کہ ایک دنیا جانتی ہے کہ انجمن خدام الدین لاہور کے سالانہ جلسہ ۱۹۳۰ء میں انہیں امیر شریعت تجویز کیا گیا اور اس موقع پر پانصد علماء نے ان کی بیعت کی۔ اس تجویز کو پروان چڑھانے والے علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری تھے۔ جو علامہ اقبال کے علمی مرشد، دور آخر کے محدث جلیل اور فقید النفس بزرگ تھے، دہلی کے بزرگ عالم مولانا احمد سعید نے علامہ انور شاہ کی وفات پر کہا تھا کہ ہم نے ایک لائبریری دفنا دی۔ خانقاہ گولڑہ کے فیض یافتہ اور جامعہ عباسیہ بہاولپور کے علمی سربراہ مولانا غلام محمد نے انور شاہ کے آخری سفر کے

موقعہ پر جب وہ شدید بیمار بھی تھے۔ انہیں سے زیادہ انتہائی مشکل سوالات مولانا انور شاہ کے سامنے رکھے۔ مولانا نے ایک ایک سوال کا جواب کتابوں کے صفحات اور سطور کی قید کے ساتھ لکھوادیا۔ جس پر مولانا غلام محمد کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اور کہنے لگے کہ آپ کے بعد ہم جیسے لوگوں کی علمی پیاس کون بجھائے گا۔ اسی عظیم عالم انور شاہ نے سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی امیر شریعت کی تجویز پیش کر کے خود ہی سب سے پہلے بیعت کی۔ اس منصب وماعزاز کا مقصد کیا تھا۔ اس کے لئے قارئین کے سامنے ایک حوالہ لانا ضروری ہے۔ قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت کی پہلی جلد میں ضمیمہ جات کے حصہ میں دوسرا ضمیمہ صفحہ ۴۶۷ سے شروع ہوتا ہے۔ جس کا عنوان ہے۔ "مسودہ فرائض و اختیارات امیر الشریعت فی الہند" ہے۔ یہ مسودہ ۹ دسمبر ۱۹۲۱ء کو مرتب ہوا۔ اسے ترتیب دینے والے مولانا کفایت اللہ، مولانا عبدالماجد بدایونی اور مولانا محمد سجاد بہاری جیسے صاحب نظر علماء تھے۔ بعد میں سید سلیمان ندوی، حکیم اجمل خان جیسے حضرات بھی شامل کئے گئے۔ بیس جید علماء اور ذمہ دار زعما پر مشتمل اس کمیٹی نے جو مسودہ تیار کیا وہ متحدہ ہندوستان کی مسلمان قوم کی تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔ مقصد یہ تھا کہ مسلمان قوم کی تنظیم، اس کے دینی، ملی، روحانی، علمی، مالی اور عدالتی مسائل کو اپنے طور پر حل کرنے کا نظم بنایا جائے تاکہ مسلمان قوم انگریزی قوانین کی دلدل سے نکل سکے، اس نظام کی تجویز و تحریک کے سلسلہ میں ابتدائی مشورے مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا سجاد بہاری کے تھے۔ مولانا ابوالکلام کی جیل کی وجہ سے مولانا سجاد نے ساری ذمہ داری اپنے سر لی اور یہ حیرت زا معاملہ ہے کہ انہیں کے صوبہ بہار میں یہ نظام بڑی کامیابی سے سب سے پہلے چلا اور پھر دھیرے دھیرے ہندوستان کے مختلف خطوں میں پھیلتا گیا اور تقسیم کے بعد بھی ہندوستان کے بڑے حصہ میں، یہ نظام کامیابی سے چل رہا ہے۔ جس کے نتیجہ میں مسلمان بہت سے عدالتی جھگڑوں اور پیچیدگیوں سے بچ کر اپنا وقت و سرمایہ بچا رہے ہیں۔ یہ ساری کاوش جمعیتہ علماء ہند کے تحت ہوئی۔ علامہ انور شاہ اس نظام کا اہم حصہ تھے۔ پنجاب میں اسی نظام کی خاطر امیر شریعت کے لئے سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا انتخاب ہوا لیکن ہمیں یہ اعتراف ہے کہ اس بد نصیب خطہ میں یہ نظام اپنی اصلی شکل میں برپا نہ ہو سکا۔ لکھنو کے معروف عالم مولانا محمد منظور نعمانی کے فرزند مولانا عتیق الرحمن نے چند ماہ قبل لندن سے ایک خط میں ان سطور کے راقم کو بطور خاص لکھا کہ پنجاب میں اس نظام کا کیا بنا؟ اور جمعیتہ علماء کی نگرانی میں ملک کے بڑے حصہ میں جو نظام کامیابی سے چلا پنجاب میں اس پر کیا گزری؟ میں مولانا عتیق الرحمن کو کیا بتاؤں کہ اس کا سبب کیا ہوا اور پنجاب میں اس نظام پر کیا گزری؟ سب سے پہلا مسئلہ تو خود سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا تھا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فقر غیور لے کر پیدا ہوئے، انہیں قدرت نے بے پناہ علم، جوشِ عمل، خطابت، معاملہ فہمی اور سب سے بڑھ کر بے کراں دولت اخلاص سے نوازا تھا۔ میری عقیدت مندانہ نہیں دیانت دارانہ رائے ہے کہ وہ قافلۂ صحابہ کی بچھڑی ہوئی شخصیت تھے۔ انہیں قدرت نے لحن حجازی ہی نہیں دل و دماغ بھی حجازی عطاء فرمائے تھے۔ وہ "حادثاتی سید" نہ تھے بلکہ فی الواقع حسنی سادات کے گل سرسبد تھے ان کو اللہ تعالیٰ نے جن خوبیوں اور کمالات سے نوازا تھا ان کے پیش نظر وہ بہت سے طبقات

بشمول طبقۂ اہل علم کی نظر میں محسود تھے۔ لوگ ان کے علم، جوش عمل، اور جذبۂ اخلاص کا مقابلہ نہ کر سکتے تو حسد کے مکروہ ہتھیاروں سے کام لیتے، سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے ہر مسجد، ہر مدرسے ہر ادارہ اور اس کے منتظم کی عزت کو اپنی عزت سمجھا۔ ان اداروں کی آب یاری کے لئے جھولی پھیلا کر ملت سے بھیک مانگی اور وقت آنے پر اداروں کی ناموس کے لئے خود اور اپنے ساتھیوں اور کارکنوں کو اس طرح کھڑا کیا کہ کوئی میلی نظر نہ اٹھ سکی۔ لیکن تاریخی حقیقت یہ ہے کہ اس مرد غیور کے جذبات کی قدر نہ کی گئی، بقول شاہ جی "میں محسود علماء تھا" علامہ انور شاہ جیسی شخصیت نے جب اپنا ہاتھ بڑھا کر بیعت کی تو انؒ کے سامنے دم مارنے کی کسی میں جرأت نہ تھی۔ پانصد بیعت کرنے والوں میں ہندوستان کے ہر خطہ کے لوگ تھے۔ پنجاب کے جو حضرات اس موقعہ پر شریک بیعت تھے۔ مثلاً مولانا احمد علی لاہوری جیسے حضرات، انہوں نے آخر وقت تک عہد وفا کو نبھایا لیکن انگریزی سطوت کی خاطر جعلی نبی، جعلی ولی اور اس ظالم سامراج کے تحفظ کے لئے فوجی جوان چننے والے خطہ کے اہل علم کی بڑی اکثریت نے اس مرد وفاشعار سے اپنے آپ کو دور رکھا، خطرہ یہ تھا کہ اس کے قرب کی وجہ سے کہیں انگریزی جیل کی ہوا نہ کھانی پڑے۔ ایسے ایسے المناک واقعات رونما ہوئے کہ بعض خطوں اور علاقوں کے اہل علم نے اپنے یہاں مہمان بنا کر ان کی سرگرمیوں سے خفیہ محکموں کو اطلاع دے کر نوازشیں حاصل کیں تو بعض مقامات کے یاران طریقت نے علاقہ کے جاگیرداروں اور وڈیروں کا اعتماد حاصل کر کے شاہ جی کے وعظ کے لئے مساجد و مدارس کے دروازے بند کر دیئے تو شاہ جی کے جی دار کارکنوں نے سکھوں اور ہندوؤں کے مذہبی مقامات پر ان کی تقریریں کرائیں۔ یوں صحیح معنوں میں بت کدے میں اذان کی بات سامنے آئی۔ ان حالات میں امارت شرعیہ کا نظام کیسے چل سکتا تھا؟ لہٰذا شاہ جی نے اپنی تمام سرگرمیوں کا رخ باطل قوتوں خصوصاً قادیانیت کے محاذ کی طرف موڑ دیا۔ کہ اگر حسد و رقابت اور بغض و کینہ کے ماحول میں امارتِ شرعیہ کا نظام نہیں چل سکا تو کم از کم تبلیغ و تحریک کے ذریعہ اقامتِ دین کا ماحول تو پیدا کر دیا جائے۔ بہر حال یہ بڑی تلخ داستاں ہے اور مجھے یقین ہے کہ جو لوگ "امارت شرعیہ" کے نظام سے واقف ہیں اور پنجاب میں اس نظام کی ناکامی کا سوال ان کے ذہن میں ہے وہ ان اشارات سے بہت کچھ سمجھ گئے ہوں گے۔ اس کے ساتھ ہی یہ کہنا ضروری ہے کہ چونکہ پنجاب پر جعلی نبوت کا سایہ منحوس پڑ چکا تھا۔ اس لئے شاہ جی نے اپنے مرشد علمی مولانا انور شاہ کے حکم سے اپنی سرگرمیاں اسی پر مرکوز کر دیں۔ مولانا انور شاہ ہی تھے جن کی توجہ سے علامہ اقبال نے زندگی کے آخری ایام میں بالکل اچھوتے انداز سے قادیانیت کا تجزیہ کیا، مرحوم کے فرزند جاوید میاں خواہ کچھ کہیں، اقبال کی زندگی کی یہ وہ نیکی ہے جسے اس کی سوانح سے کھرچا نہیں جا سکتا۔

☐☐

مقالہ

پروفیسر خالد شبیر احمد

اسلام کا عقیدۂ حاکمیت

نبوت، امانت اور عدالت اسلامی نظم حکومت کے بنیادی ستون ہیں

پاکستان اگرچہ آئین کی رو سے اسلامیہ جمہوریہ پاکستان کہلاتا ہے۔ لیکن پاکستان کا سیاسی ڈھانچہ مغربی نظام حکومت کے تحت چل رہا ہے جسے پارلیمانی جمہوریت کا نام دیا جاتا ہے جبکہ تحریک پاکستان کے حوالے سے اگر بات کی جائے تو پاکستان کو ایک اسلامی اور مکمل اسلامی ریاست کے طور پر اقوام عالم میں قابل تقلید ہونا چاہیے تھا۔ لیکن بد قسمتی سے پورے عالم اسلام میں ایک حکومت بھی ایسی نہیں ہے جو حکومت الٰہیہ کے معیار پر پوری اترتی ہو۔ جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے پاکستانی قوم کو درس گاہوں میں جس اسلامی فلسفہ حکومت کا مطالعہ کرایا جاتا ہے اور کتب اسلامیہ میں جس نظام کا وہ شعوری مطالعہ کرتی ہے۔ عملی صورت میں اس کی کوئی مثال اس کے سامنے نہیں آتی۔ آج پوری دنیا میں مسلمان جن پر آشوب حالات سے گذر رہے ہیں اور ہر جگہ اغیار کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے ہوئے ہیں میرے نزدیک اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ ہم نے اپنے فلسفہ حیات اور نظام حکومت کو اختیار کرنے کی بجائے چند ترمیموں کے ساتھ جمہوری اور وہ بھی مغربی جمہوری نظام کو اپنے اوپر مسلط کر رکھا ہے ہر متمدن انسان کسی نہ کسی نظم و ضبط کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی خواہش رکھتا ہے لہذا ہر شخص کی فطری طور پر تمنا اور خواہش ہوتی ہے کہ اس کا کسی نہ کسی مملکت یا کسی نہ کسی نظام کے ساتھ تعلق ہو۔ اصولی بات ہے کہ اگر کسی بھی معاشرہ کا کوئی نظم و ضبط نہیں تو پھر حقوق و فرائض اور عدل و انصاف کا تصور بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ ہر ایک

سیاسی نظام خواہ وہ اسلامی ہو یا غیر اسلامی اقتدار اعلیٰ کے مسئلہ کو بنیادی اہمیت دیتا ہے۔ کیونکہ مملکت اور حکومت کی نوعیت کا انحصار اسی کے تابع فرمان ہوتا ہے۔ یہ امر اپنی جگہ ایک اٹل حقیقت کا درجہ رکھتا ہے کہ مغربی سیاسی مفکروں نے لامحدود و لافانی اور مافوق الفطرت اقتدار کو انسان اور انسانی اداروں سے وابستہ کرنے کی ہمیشہ جدوجہد کی مگر وہ ان شرائط پر پورا نہیں اترتے جو کسی ہستی کو مقتدر اعلیٰ کہلانے کے لئے لازمی ہیں جبکہ ان مفکروں اور نظریہ سازوں نے اپنے رجحانات کے مطابق حاکموں سے اقتدار اعلیٰ وابستہ کر دیا ہے اس کے مقابلہ میں اسلام نے اقتدار اعلیٰ جیسے پیچیدہ مسئلے کو حل کرنے اور ان تمام نقائص سے پاک رکھنے کا صحیح طریقہ اختیار کیا ہے اور کسی انسان اور انسانی ادارے سے اقتدار اعلیٰ وابستہ کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کو حقیقی حکمران تسلیم کیا جو نہ صرف انسان بلکہ اس کائنات کا خالق ہے اور جس کو اسلامی معاشرہ میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اقتدار اعلیٰ ایک ایسی قوت کا نام ہے کہ معاشرے کی تمام قوتیں اس قوت اعلیٰ کے تابع ہوتی ہیں اور وہ خود کسی کے تابع نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا تو کوئی طاقت ان شرائط پر پورا نہیں اترتی لہذا اسلامی نظام حکومت میں حاکمیت اعلیٰ اور اقتدار اعلیٰ کا تصور عام اقتدار اعلیٰ سے یکسر جدا اور مختلف ہے جو کہ ہر لحاظ سے جامع اور منفرد ہونے کے ساتھ ساتھ لازوال بھی ہے اسلامی نظام حکومت میں یہ نظریہ بنیادی پتھر کی حیثیت رکھتا ہے جس پر سارا قصر حکومت قائم ہے جبکہ پاکستان میں جو نظام حکومت قائم کیا گیا ہے وہ اس نبیادی عقیدے سے یکسر محروم ہے بلکہ جمہوریت کے نام پر مغربی نظریہ سازوں کی ترجمانی کرتا ہے۔ حالانکہ قرآن مجید میں واشگاف الفاظ میں ارشاد باری ہے۔ "پھر کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور حاکم تلاش کروں حالانکہ اس نے اتاری ہے تم پر کتاب واضح۔" جبکہ دوسری جگہ یوں ارشاد ہوتا ہے۔ "حکم اللہ کے سوا کسی کا نہیں اس کا فرمان ہے کہ خود اس کے سوا کسی

کی بندگی نہ کرو۔۔ "تیسری جگہ انتباہ کرتے ہوئے فرمایا گیا۔۔ " پیروی کرو اس قرآن کی جو تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے اور اسے چھوڑ کر دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرو۔۔" اس کے ساتھ ہی ہدایت بھی کی گئی ہے۔۔ اور جو اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی کافر ہیں۔"

متذکرہ آیات اور قرآن کی دیگر آیات میں اسلام کے تصور حاکمیت اعلیٰ کی بھرپور انداز میں وضاحت کر دی گئی ہے گویا ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ اٹل سچائی اور حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ کو تسلیم کرنے کا دوسرا نام اسلام ہے اور اس کے انکار کو کفر قرار دیا گیا ہے قرآن مجید کے بعد دین اسلام کے دوسرے ماخذ حدیث میں بھی اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا تذکرہ ہے اور ایسی احادیث کی تعداد سینکڑوں میں ہے۔ مثال کے طور پر۔۔ "تیری طرف رجوع کرتا ہوں تیری مدد سے بحث کرتا ہوں اور تیری وحی پر فیصلہ کرتا ہوں۔۔" ان دعائیہ الفاظ کے بارے میں مفسرین کا کہنا ہے کہ یہ دعا سرور کائنات ﷺ تہجد کے وقت اللہ تعالیٰ کے حضور کیا کرتے تھے۔ ابن حجر نے تحاکمت کی تشریح کرتے ہوئے کہا ہے کہ تنازعات کا فیصلہ خدا کے حکم کے مطابق کرنا جس کی روشنی میں حضور سرور کائنات ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ میں تمام معاملات اور تنازعات کا فیصلہ تیرے حکم کے مطابق کرتا ہوں۔ جاہلیت کی مشرکانہ رسومات کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا۔ حجتہ الوداع کے موقعہ پر حضور سرور کائنات ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

"اگر تم پر ایک نکٹا سیاہ فام بھی امیر مقرر کر دیا جائے تو اس کی اطاعت کرو بشرطیکہ وہ تمہاری قیادت اللہ کی کتاب کے مطابق کرتا ہو۔"

قرآن و سنت کے ان حوالوں سے یہ حقیقت مستحکم ہو جاتی ہے کہ موجودہ مغربی جمہوریت جس نظام حکومت کی بات کرتی ہے اور جس بنیادی پتھر پر اس

نظام کی عمارت استوار ہے اس کا اسلام میں کہیں تصور تک نہیں بلکہ اسلام میں ایک ایسی جماعت کو فوقیت حاصل ہے جس کا عمل اس کے ایمان کے مطابق ہوتا ہے یہ حاکمیت اعلیٰ اسلام کے مطابق اسلامی معاشرے کو بطور امانت دی جاتی ہے حضرت امام اعظم امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے مطابق اسلام کا مفہوم یوں واضح ہوتا ہے۔" اسلام کیا ہے۔ حکومت الہیٰ کے احکام کی حکم برداری مکمل اطاعت، امن و سلامتی کے نظام کا قیام ہی اسلام کا اصل مفہوم ہے۔ حکومت الہیہ یا اسلام کے تصور حاکمیت کو اس وقت تک نہیں سمجھا جا سکتا جب تک حضور سرور کائنات ﷺ کی سیاسی زندگی کے پہلو کو پیش نظر نہ رکھا جائے۔ علماء اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ اسلامی ریاست یا حاکمیت اعلیٰ کی بنیاد نبوت پر رکھی گئی ہے حضرت نعمان بن بشیر کا ارشاد ہے کہ اسلام کی حکومت کی اصل نبوت ہے۔ گویا حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضور سرور کائنات ﷺ تک ہر آنے والے نبی نے نبوت کی بنیادوں پر لوگوں کی راہنمائی کا فریضہ سر انجام دیا۔ حضور سرور کائنات ﷺ چونکہ نبی آخر الزمان ہیں۔ اس لئے ان کی حیات طیبہ اس میدان میں ہماری مکمل راہنمائی کرتی ہے جس کی روشنی میں حکومت الہیہ خدا کی بالادستی یا خلافت الہیٰ دراصل ایسی حکومت ہے جو پیغمبروں اور ان کے جانشینوں کی حکومت ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ایسی حکومت کو حکومت نہیں بلکہ خلافت سے موسوم کیا گیا ہے کیونکہ حکومت کے مفہوم میں بندوں کی حکومت کا تذکرہ ہے جبکہ خلافت کے مفہوم میں بندوں کی حکومت کی بجائے خدا کی حکومت کا ذکر ہے جو قرآن و سنت کے تابع ہوتی ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ اسوہ حسنہ ہماری زندگی کے لیے مینارہ نور کی مانند ہے اور سیرت النبی ﷺ اس امر کی شہادت ہے کہ حضور سرور کائنات ﷺ نے ہر شعبہ حیات میں جو الہامی ہدایت ہم تک پہنچائی ہیں اس میں نظم حکومت کے بارے میں کوئی ابہام نہیں ہے۔ نظام خلافت چونکہ ہماری دینی تعلیمات کے اظہار کا مظہر ہے لہذا اس وقت تک یہ قوت اسلامی بن کر نہیں

ابھرتی جب تک اس قوت کے اظہار کا دارمدار نبوت پھر نہ ہو۔ وہ سب کچھ نظم حکومت کے اندر موجود ہے جو دین کے مطابق ہے اور وہ سب کچھ اسلامی حکومت سے باہر ہے جو دین اسلام سے باہر ہے۔ جس طرح چاند کی اپنی روشنی نہیں ہوتی وہ اپنی روشنی سورج سے حاصل کرتا ہے اور پوری دنیا کو روشن کرتا ہے بعینہ اسلام کی حکومت میں حکومت کرنے والوں کا اپنا کچھ نہیں ہوتا بلکہ حکمران سب کچھ اسلام کی ہدایت کے مطابق سرانجام دیتے ہیں۔ قرآن مجید میں حکومت کیلئے ایک لفظ امانت بھی استعمال ہوا ہے لیکن ہر امانت ایک عظیم القدر امانت ہے علامہ زمخشری کے نزدیک یہ امانت عظیم القدر سنگین اور گرانبار ذمہ داری ہے اور امانت سے مراد یہاں اطاعت ہے اللہ کے ایجابی حکم اور امتناعی حکم کی اطاعت علامہ ابو حیان غرناطی کے الفاظ میں انسان عظیم و جلیل ذمہ داریوں کا مکلف ہے نظریہ امانت کا تعلق حکومت کے کارپردازوں سے ہے امانت یہ ہے۔ کہ حکومت کی جملہ ذمہ داریوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے عوام کیلئے فرض شناسی کے ساتھ کام کیا جائے اور اس کام کو دین اور قانون کے مطابق پورا کیا جائے عام حالات میں بھی امانت کسی ایسے فرد کے سپرد کی جاتی ہے جو ہر لحاظ سے صاحب کردار اور بااعتماد ہو حکومت کا معاملہ تو ہر لحاظ سے اس سے کہیں زیادہ اہم ہے اس لئے حکومت کی امانت تو صاحب کردار متقی اور نیک لوگوں کے علاوہ کسی دوسرے کے سپرد نہیں کی جا سکتی اس کے برعکس مغربی جمہوریت میں نہ تو حکومت خدا کی امانت ہے اور نہ ہی اس کیلئے ضروری ہے وہ نیک بندوں کے ذریعے قائم کی جائے اور وہ نیک بندوں کے پاس رہے بلکہ اکثریت جس کو چاہے جب تک چاہیے حکومت دے سکتی ہے جبکہ اسلام میں حکومت کا تصور امانت کس قدر اہم ہے اس کی نشان دہی حضور سرور کائنات ﷺ کی حیات مبارکہ کے ایک واقعہ سے کرتا ہوں احادیث میں اس واقعہ کا تذکرہ ملتا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کے پاس ایک بوڑھا عیسائی طیفل بن عامر آیا اور اس نے کہا کہ اے خدا کے پیغمبر اگر تو اپنے انتقال کے بعد

عرب کی حکومت کی باگ ڈور میرے سپرد کرنے کا عہد کر لے تو میں ابھی مسلمان ہوتا ہوں۔ حضور سرور کائنات ﷺ نے سن کر ارشاد فرمایا۔

"حکومت کی باگ ڈور تو خود میرے ہاتھ میں بھی نہیں ہے میں تیرے ہاتھ میں دینے کا عہد کیسے کر لوں۔"

لیکن آج جمہوریت میں کیا ہو رہا ہے محض اپنے اقتدار کو دوائم دینے کی خاطر غیر مسلموں کو دوہرے ووٹ کا حق دار قرار دینے کی باتیں ہی نہیں ہو رہیں بلکہ قانون سازی کی تیاریاں کی جا رہی ہیں حالانکہ پاکستان کا آئین اس امر کی اجازت نہیں دیتا اس غیر اسلامی اور غیر جمہوری منطق کو عدل و انصاف کا نام دے کر دینی تعلیمات کا مذاق اڑایا جا رہا ہے ایک اسلامی ریاست میں اقلیت کے تحفظ کی ضمانت تو فراہم کی گئی ہے لیکن وہ مشروط ہے اب غیر مسلموں کو ایک مسلم معاشرہ میں دوہرے ووٹ کا حقدار قرار دینا اللہ تعالیٰ کے دین اسلام کے تصور حاکمیت سے سراسر بغاوت کے مترادف ہے جبکہ ارشاد رسالت مآب ﷺ کی روشنی میں یہ حقیقت اظہر من شمس ہو جاتی ہے کہ اسلام کے فلسفہ حکومت کے مطابق حاکمیت اعلیٰ تو ان کے پاس بھی نہیں ہوتی جو بظاہر حکومت کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اس ضمن میں یہ واقعہ بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے حضرت ابوذرؓ کا بیان ہے کہ میں نے سرکار دو عالم ﷺ سے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے بھی حکومت میں منصب عطا کیا جائے اس کا جواب ملا۔ اے ابوذر حکومت سنگین ذمہ داری اور امانت ہے یہ ہر شخص کے سپرد نہیں کی جاسکتی۔

حضرت علیؓ کا قول ہے کہ امام کی ذمہ داری یہ ہے کہ خدا کے قانون کے مطابق حکومت کرتے ہوئے حکومت کرے اور جب امام امانت کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے حکومت کرے تو پھر عوام کی ذمہ داری ہے کہ اس کے حکم کو سنیں اور اطاعت کریں اور جب وہ میدان عمل میں بلائے تو اس کی آواز پر لبیک

کہیں حضرت عمر فاروقؓ کا قول ہے کہ: جو شخص حکومت کی ذمہ داری کو مناسب صورت میں تقسیم نہیں کرتا وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور مسلمانوں کے حق اور ان کی امانت میں خیانت کرتا ہے"

دین اسلام کے ان اصولوں اور واضح ہدایات کے برعکس جس جمہوری معاشرہ میں ملت پاکستانیہ سانس لے رہی ہے وہ آپ کے سامنے ہے برصغیر پاک وہند کی تقسیم کی بنیاد ہی ایک مسلم اور اسلامی ریاست کے قیام کا مطالبہ پر تھی اور ہمارا نعرہ اسلامی حکومت و ریاست کا قیام تھا۔ لیکن اس کے برعکس سیاسی جماعتیں ہوس اقتدار کے طلب گاروں سے لاکھوں روپیہ لیکر اپنا نمائندہ نامزد کرتی ہیں اور سیاسی جماعتوں کے پاس صرف اور صرف ایک ہی پیمانہ ہوتا ہے کہ کون سا شخص زیادہ سے زیادہ سرمایہ خرچ کرتے ہوئے لوگوں کو اپنی طرف رجوع کرنے کے فن کا ماہر ہے سیاسی جماعتوں کے اسی پیمانہ کی بنا پر معاشرہ میں کرپشن دن بدن بڑھتی جا رہی ہے اور اس کے سد باب کا کسی کے پاس کوئی علاج نہیں کیونکہ اس حمام میں سبھی ننگے ہیں اور ایک دوسرے سے آنکھ ملا کر بات کرنے کی کسی میں جرات نہیں ہے حالانکہ سیاسی جماعتوں کا یہ انداز فکر و عمل زہر ہلاہل سے کسی طور بھی کم نہیں ہے گویا ہم اپنے زوال کو اپنے کردار و عمل سے دعوت دے رہے ہیں۔

اسلام کے تصور حاکمیت اعلیٰ کا تیسرا بنیادی اصول عدل و انصاف ہے جس کے بغیر حاکمیت اعلیٰ کا اسلامی تصور مکمل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ قرآن نے جہاں حاکمیت کو امانت کہا ہے وہیں امانت کو دیانت اور انصاف کے ساتھ ادا کرنے کا حکم بھی دیا ہے کہ جب تم لوگوں کے درمیان حکومت کیلئے کام کرو تو انصاف کے تمام تر تقاضوں کو مدنظر رکھو۔ ایک بات ذہن میں رکھنے کی ضرورت ہے کہ جب قوم آزاد عدلیہ کا مطالبہ کرتی ہے اور یہ کہتی ہے کہ حکومت اور عدلیہ دو الگ الگ شعبہ جات ہونے چاہئیں تو اس مطالبہ کی بنیاد دراصل اسلام کے تصور

انصاف سے ہی اخذ کی جاتی ہے کیونکہ جب تک اسلام کے نظم حکومت نظم معیشت اور نظم معاشرت میں عدل وانصاف اور عدل واحسان کی مکمل طور پر کارفرمائی نہیں ہوتی دین کا تقاضہ پورا نہیں ہو سکتا۔ عدل وانصاف اور انسان کا فطری تقاضہ ہے جس کا پورا کرنا حکومت کا فرض ہے آج تاجر صنعت کار ملازم پیشہ اور کاروباری حضرات ٹیکس کے معاملہ میں بہت احتجاج کرتے ہیں اور ہر طرف سے شور بلند ہوتا ہوا سنائی دے رہا ہے کہ لوگ حکومت کو ٹیکس ادا نہیں کرتے بلکہ حکومتی مشینری ہی ٹیکس گذاروں کو لوٹ کر اپنی تجوری بھرنے کی فکر میں لگی رہتی ہے اس تمام تر احتجاج شور اور واویلا کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ ہمارے ہاں جو نظم حکومت نظم معیشت اور نظم معاشرت قائم ہے اور جس پر ہم فخر بھی کرتے ہیں۔ وہ اسلام کے بنیادی اصولوں سے متصادم ہے اور ہم نے اسلام کی بجائے مغربی نظم حکومت کو اپنے اوپر مسلط کر رکھا ہے۔ ماہرین سیاسیات اور نفسیات اس بات پر متفق ہیں کہ انسان بغاوت پر اُس وقت آمادہ ہوتا ہے جب اس کے ساتھ عدل وانصاف نہیں ہوتا اس بغاوت کو روکنے کیلئے اور افراد کے اندر اعتماد پیدا کرنے کیلئے خالق انسانیت نے اسلامی تعلیم کی روشنی میں اسلامی حکومت کو عدل وانصاف کی بڑی شدت کے ساتھ تلقین کی ہے اس ضمن میں حدیث شریف کے الفاظ یوں ہیں۔

"پہلی قومیں محض اس لئے ذلیل ورسوا ہو کر تباہی سے ہمکنار ہو گئیں کہ انکا قانون محض کمزور اور ناتواں لوگوں کیلئے تھا خدا کی قسم اگر میری اپنی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دینے کا حکم دیتا

جبکہ ایک اور مقام پر حضور سرور کائنات ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

"خدا ایک کافر مگر عادل حکمران کو تو برداشت کر لیتا ہے مگر ایک ظالم حکمران کو برداشت نہیں کرتا چاہے وہ مسلمان کیوں نہ ہو۔"

اب ذرا اپنے معاشرہ پر نظر ڈالیں۔ اخبارات میں شائع ہونے والی خونی الفاظ کی سرخیاں پردہ ذہن پر لائیں۔ قتل و غارت گری ڈاکہ زنی اور حکمرانوں کے

اختیارات سے تجاوز کرنے کی خبروں کو دیکھیں حتیٰ کہ عدلیہ پر اثر انداز ہونے اور اپنے رعب حکمرانی کا مظاہرہ کرنے کے اوچھے ہتھکنڈوں پر نظر ڈالیں۔ جس ظالم حکمران کی حدیث شریف میں نشان دہی کی گئی ہے کیا اس وقت اسلام کے نام پر قائم ہونے والی ریاست کے حکمران ایسے ہی ظالم دکھائی نہیں دیتے اور اس پر بھی گہرا سناٹا ہے کسی طرف سے کوئی صدا بلند ہوتی ہوئی سنائی نہیں دیتی اس کی وجوہات تلاش کرنے کی ضرورت ہے بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ حکمران نے اپنے رنگ میں پوری قوم کو رنگ لیا ہے اور عدل و انصاف کو جس کی لاٹھی اس کی بھنیس قرار دے دیا گیا ہے یعنی زرداروں کے پاؤں بارہ ہیں جبکہ متذکرہ احادیث اور دیگر احادیث کی روشنی میں انصاف معاشرہ میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے لہذا ہر حاکم اور حکومت کے ہر کارکن کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے کیلئے عدل و انصاف سے کام لے۔ نہ تو کسی سے خوف کھائے اور نہ کسی کے ساتھ رعایت کرے۔ خلافت راشدہ کی تاریخ پر جب انسان کی نظر پڑتی ہے تو تاریخ کے صفحات پر حضرت ابوبکر صدیقؓ جب مسند اقتدار یعنی خلافت پر متمکن ہوئے تو عدل و انصاف کی اہمیت کو یوں اجاگر فرمایا۔

"اور تم میں جو بے اثر ہیں وہ میرے نزدیک بااثر ہیں یہاں تک میں ان کا حق واپس نہ دلادوں (انشا اللہ) اور تم میں جو بااثر ہیں وہ میرے لئے بے اثر ہیں یہاں تک کہ میں ان سے دوسروں کا حق وصول نہ کر لوں۔"

اسی طرح حضرت عمر فاروقؓ نے بھی تخت خلافت پر متمکن ہوتے ہوئے اپنے دور حکومت کا آغاز ان الفاظ سے کیا۔

"اے لوگو! میں تمہارے معاملات کا ذمہ دار بنایا گیا ہوں میری طبیعت کی مشہور سخت گیری اور زیادہ بڑھ گئی ہے۔ لیکن یہ ظالموں اور نیک لوگوں پر زیادتی کرنے والوں کیلئے ہو گی باقی رہے وہ لوگ جو سلامت روی اور میانہ روی کی زندگی

بسر کریں گے تو ان کیلئے میں اس سے بھی زیادہ نرم ہوں گا جتنے وہ آپس میں ایک دوسرے کیلئے ہو سکتے ہیں۔ کسی شخص کو دوسرے پر ظلم و زیادتی کا میں موقعہ نہیں دوں گا۔ اگر کوئی شخص اس قسم کی جسارت کرے گا تو میں اس کا ایک گال زمین پر رکھوں گا اور اس کا دوسرا گال اپنے پاؤں کے نیچے دبا دوں گا یہاں تک وہ حق کے آگے جھک جائے اور تمام سختی اور سخت گیری کے باوجود میں اہل دیانت کیلئے خود اپنا گال ہمیشہ زمین پر رکھوں گا۔"

ان تاریخی شواہد کی روشنی میں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اسلام کے تصور حاکمیت اعلیٰ کی بنیاد تین اہم اصولوں پر ہے۔ نبوت امانت اور عدالت۔ موجودہ حالات میں انہی تین اصولوں کی بالادستی کیلئے اسلامی فکر کی جماعتوں کو کام کرنے کی ضرورت ہے وہ اپنی تبلیغ کا مرکزی نکتہ ہی ان تینوں اصولوں کو قرار دیں اور ان ہی تین اصولوں کے مطابق پاکستان میں ایک ایسا دینی محاذ بنانے کی ضرورت ہے جو انتخابی سیاست سے بالاتر ہو کر ایک پریشر گروپ کے طور پر حکمرانوں کو مجبور کرے کہ وہ ان تین اصولوں کو اپنی حکومت کی بنیاد قرار دیتے ہوئے حکمرانی کا فریضہ سر انجام دے تو پاکستان جو مملکت خداداد ہے جس کی اساس ہی اتحاد بین المسلمین اور ایک مثالی اسلامی ریاست کے قیام پر ہے اور اس کے ساتھ ہی عالم اسلام کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی داعی بھی ہے۔ میرے خیال میں ہم اس طرح مغربی اغیار کی یلغار سے بھی خود کو محفوظ کر لیں گے اور پھر کسی سونیا گاندھی کو یہ کہنے کی جرات نہیں ہو گی کہ ہماری ثقافتی یلغار نے پاکستان کو فتح کر لیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہم ایک ایسی طاقت بن کر دنیا کے نقشہ پر نمودار ہوں گے کہ مغرب خود بخود ہماری قوت کو تسلیم کرتے ہوئے ہماری تقلید کی راہوں پر گامزن ہونے پر مجبور ہو جائے گا۔

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے بس وہی باقی بتان آذری

ترتیب: شیخ عبدالمجید احرار

قسط نمبر ۶

احرار اور تحریک تحفظ ختمِ نبوت ۱۹۵۳ء

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

۱۹۵۲ء میں انجمن حمایت اسلام کا سالانہ جلسہ لاہور میں بڑی دھوم دھام سے ہو رہا تھا۔ اس وقت انجمن کے صدر خلیفہ شجاع الدین مرحوم تھے جو پنجاب اسمبلی کے سپیکر بھی تھے! مرحوم بہت ہی خوبیوں کے مالک اور مرنجانِ مرنج انسان تھے! دینی، تعلیمی، ادبی اور سیاسی حلقوں میں ان کا یکساں احترام کیا جاتا تھا۔ حضرت امیر شریعت کے ساتھ دیرینہ تعلق کی بناء پر خلیفہ صاحب نے جلسہ کے آخری اجلاس سے خطاب کے لئے خصوصی درخواست کی اور دیگر احرار رہنماؤں کو بھی اپروچ کیا کہ وہ حضرت شاہ جی کو جلسہ میں شرکت پر آمادہ کریں مگر شاہ جی جلسہ میں شرکت پر آمادہ نہیں ہو رہے تھے۔ وہ انجمن کے سابقہ انگریز پرست کار پردازان کے رویہ کے شاکی تھے۔ جو مجلس احرار اسلام کی انگریز دشمنی کے باعث انجمن کے سالانہ جلسوں میں شاہ جی کو بلانے سے کتراتے تھے۔ جب شاہ جی کو لاہور لانے کی سب تدبیریں ناکام ہوتی نظر آئیں تو مرکزی احرار رہنماؤں نے سالار اعلیٰ پنجاب چودھری معراج الدین صاحب کو شیخ محمد فاضل صاحب کی کار دیگر ملتان بھیجا کہ وہ جیسے بھی ہو شاہ جی کو ساتھ لیکر آئیں!

سالار صاحب ملتان پہنچے، شاہ جی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور لاہور چلنے کی درخواست کی۔ لیکن شاہ جی نے خوبصورتی کے ساتھ ٹالنے کی کوشش کی تو چودھری صاحب نے عرض کیا شاہ جی آج رات کو لاہور میں جلسہ ہے۔ ساتھی وہاں بے چینی سے آپکے منتظر ہیں!

اس لئے جلدی فیصلہ فرمائیے، وقت بہت کم ہے۔ ویسے آپ جانتے ہی ہیں کہ میں آپکا ہی بنایا ہوا سالار ہوں اور سالار تو پھر حکم ہی دیا کرتا ہے جس کو آپ نے ہمیشہ شرف قبولیت بخش کر اپنے سالاروں اور رضاکاروں کا مان بڑھایا ہے۔

شاہ جی نے ایک نگاہ دل نواز سے اپنے سالار کی طرف دیکھا اور مسکرائے، پھر فرمایا سالار بھائی! دل تو نہیں مانتا اگر آپکا حکم ہے تو پھر میں بھی ڈسپلن کا آدمی ہوں اسلئے آپکا حکم ٹال کر آپکی دل شکنی نہیں کروں گا۔"

یوں شاہ جی لاہور آ ئے۔

اخبارات و اشتہارات کے ذریعہ یہ چرچا ہو چکا تھا کہ انجمن حمائت اسلام کے سالانہ جلسہ کے آخری اجلاس میں شاہ جی خطاب فرمائیں گے۔ لاہور کے علاوہ گوجرانوالہ، سیالکوٹ، وزیر آباد، فیصل آباد (لائل پور)

کے احرار کارکن دفتر احرار میں جمع ہو رہے تھے۔ میں بھی لائل پور سے ساتھیوں کے ہمراہ حضرت امیر شریعت کی زیارت اور تقریر سے مستفید ہونے کے لئے لاہور پہنچا۔ دیگر تمام اکابر احرار دفتر میں موجود تھے۔ خصوصاً قاضی احسان احمد شجاع آبادی، ضیغم احرار شیخ حسام الدین، ماسٹر تاج الدین انصاری اور صاحبزادہ فیض الحسن شاہ سر جوڑے سرگوشیوں میں مصروف اور شاہ جی کے لئے سراپا انتظار تھے۔ مغرب سے متصل سالار معراج الدین نے سیڑھیوں کے دروازہ ہی سے اپنی گونج دار آواز میں السلام علیکم کہہ کر یہ مژدۂ جانفزا سنایا کہ حضرت امیر شریعت تشریف لے آئے ہیں۔ جس سے خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی تمام رفقائے احرار کے چہرے کھل اٹھے۔ سالار معراج الدین کے عقب میں شاہ جی بھی اوپر دفتر میں تشریف لے آئے اور اکابر احرار کے کمرہ میں جانے کی بجائے کارکنوں کے ساتھ ہال کمرہ میں بیٹھ کر خوش گپیوں میں مصروف ہو گئے۔

اسی اثناء میں شیخ حسام الدین اور فیض الحسن شاہ نے شاہ جی سے کہا حضرت جلسہ شروع ہوا چاہتا ہے اسلئے آپ دوسرے کمرہ میں آئیں تاکہ آپس میں ضروری مشاورت کر لیں۔

شاہ جی نے فرمایا: "بھائی جن کے حکم پر اور جن کے لئے آیا ہوں ان سے تو کچھ باتیں کر لینے دیں۔"

لیکن شیخ صاحب کے بار بار اصرار پر انکے ہمراہ دوسرے کمرہ میں چلے گئے تو دروازہ اندر سے بند کر لیا گیا۔ تقریباً ایک گھنٹہ کی میٹنگ کے بعد شاہ جی باہر تشریف لائے اور ہم کارکنوں کے درمیان دوبارہ جلوہ افروز ہو گئے۔ چہرہ سے متانت اور سنجیدگی صاف عیاں تھی آپ عجیب دلفریب انداز میں بچوں کی طرح مدرسہ کا سبق یاد کرنے کے انداز میں دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کی ایک ایک انگلی پکڑ کر آموختہ دھرانے کے انداز میں کہنے لگے کہ آج صرف مسئلہ ختم نبوت بیان کرنا ہے اور کچھ نہیں کہنا ہے باقی باتوں سے احتراز کرنا ہے۔

اس طرح جو باتیں اندر ہوئی تھیں وہ بیان کرنے لگے۔ اتنے میں باقی قائدین احرار بھی باہر تشریف لے آئے اور قاضی صاحب کی سیاہ شیروانی اتروا کر شاہ جی کو پہنانے لگے وہ ٹال رہے تھے لیکن رفقاء کے اصرار پر اچکن زیب تن کر لی جو شاہ جی کے جسم پر خوب پھبی قاضی صاحب نے دیکھتے ہی بڑے پیار سے اور بلند آواز سے امیر شریعت کا نعرہ بلند کر دیا تمام حاضرین نے زندہ باد سے مستانہ وار جواب دیا۔ جس سے سڑک پر جاتے ہوئے لوگ رک گئے۔

اس کے ساتھ ہی قائدین احرار نے مصلحت اسی میں جانی کہ تمام رضاکاروں کو جلسہ گاہ جانے کا حکم دیکر شاہ جی کو بھی چھوٹے کمرہ میں لے گئے تاکہ مزید باتیں افشاء نہ ہوں! تمام کارکنانِ احرار اسلامیہ کالج گراؤنڈ کی طرف جانے کے لئے دفتر سے نیچے آ گئے۔ انجمن حمایت اسلام کا آخری اجلاس جس کی صدارت نئے وزیراعلی پنجاب میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ کر رہے تھے۔ اور مجلس استقبالیہ کے صدر خلیفہ شجاع الدین تھے، پنڈال بڑی خوبصورتی سے سجایا گیا تھا جبکہ اسٹیج کے مقابل جگہ کو "ڈی" کی شکل میں صوفے لگا کر درمیان میں سیکورٹی کے

حساب سے خالی جگہ چھوڑی ہوئی تھی۔ صوفوں کے پیچھے مرصع کرسیاں بچھائی گئی تھیں۔ جو صرف خواص کے لئے تھیں اس حصہ کو موٹے رسوں اور بانسوں کے ذریعہ عوام کی نشست گاہ سے علیحدہ کیا ہوا تھا۔ ۱۰ بجے شب کے بعد حضرت امیر شریعت اپنے رفقاء کے ہمراہ جلسہ گاہ میں جلوہ افروز ہوئے انکی آمد کے ساتھ ہی نعرۂ تکبیر، اللہ اکبر۔ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری زندہ باد مرزائیت مردہ باد۔ اور مجلس احرار اسلام زندہ باد۔ پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ کے فلک شگاف نعروں سے لوگوں نے اپنی نشستوں سے اٹھ کر حضرت امیر شریعت کا والہانہ انداز میں استقبال کیا۔

عوام کی خوشی اور جوش و خروش دیدنی تھا۔ بدیں وجہ جلسہ گاہ کا کنٹرول پولیس کی گرفت سے باہر ہو گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے رسوں اور بانسوں کے ذریعہ بنائے ہوئے حفاظتی انتظامات درہم برہم ہوگئے۔ لوگ شاہ جی سے مصافحہ کرنے اور انکی ایک جھلک دیکھنے کے لئے دیوانہ وار ایک دوسرے سے بڑھکر پیار و محبت اور جوش و ولولہ سے دیدہ و دل نچھاور کرتے ہوئے، شاہ جی کی طرف لپک رہے تھے جس سے جلسہ کا نظم و نسق اور لاؤڈ سپیکر کا نظام بھی تہہ و بالا ہو کر رہ گیا۔ احرار رضا کار کافی تگ و دو کے بعد شاہ جی کو عشاق کے نرغہ سے نکال کر اسٹیج پر لے جانے میں کامیاب ہوئے!

صدر جلسہ وزیر اعلیٰ پنجاب میاں ممتاز دولتانہ عوام کی اس وارفتگی سے امیر شریعت کی پذیرائی دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے۔ اور اسی سراسیمگی کی حالت میں شاہ جی کی پیش وائی کے لئے اسٹیج سے اترے، آگے بڑھکر دست بوسی کی کوشش کی لیکن شاہ جی بے نیازی سے ہاتھ ملا کر آگے بڑھ گئے اور اسٹیج پر خلیفہ شجاع الدین کے ساتھ والی کرسی پر فروکش ہوگئے۔ بڑے وقار اور تمکنت سے نظریں جھکائے صدر جلسہ کی تقریر جو صرف چند منٹوں میں ختم ہو گئی سماعت فرماتے رہے۔ صدر جلسہ نے جب امیر شریعت کو دعوت خطاب دی۔ تو پھر دوبارہ فلک شگاف نعروں کی گونج سے سرد موسم میں بھی گرمی پیدا ہو گئی۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ لوگ کسی بہت بڑے فاتح یا قومی ہیرو پر اپنا سب کچھ نچھاور کرنے کا اظہار کر رہے ہوں!

حضرت امیر شریعت زندہ باد۔ مجلس احرار اسلام زندہ باد۔ مرزائیت مردہ باد اور نعرۂ تکبیر اللہ اکبر کے والہانہ نعروں نے ایک سماں باندھ دیا۔ جو کئی منٹ تک امیر شریعت کے روکنے کے باوجود جاری رہا۔

صدرِ جلسہ کی حالت دیدنی تھی جیسے کاٹو تو لہو نہیں بدن میں"

رومال سے بار بار اپنی پیشانی سے عرق ندامت صاف کر رہے تھے!

حضرت امیر شریعت تقریباً پندرہ بیس منٹ تک اپنی مخصوص حجازی لے میں قرآن پاک کی تلاوت فرماتے رہے جس سے مجمع پر وجد کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ فضا میں ایک خاص قسم کی نورانیت کا ہالہ بن رہا تھا۔ سامعین پر آسمان سے سکینت نازل ہوتی معلوم ہوتی تھی جس سے ہر چھوٹا بڑا مبہوت ہو کر عربی نہ جانتے ہوئے بھی جھوم رہا تھا یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے تمام کائنات تھم گئی ہو اور وقت کی رفتار رک گئی ہو!

صدر جلسہ، صدر استقبالیہ خلیفہ شجاع الدین صاحب! میرے بزرگو بھائیو۔!

میری ماؤں۔ بہنو اور بیٹیو! نئی نسل کے نوجوانو اور میرے عزیز رفیقو! اسی اثناء میں آپ کی نظر سامنے پڑی تو شیخ حسام الدین اور صاحبزادہ فیض الحسن شاہ فروکش تھے اور دائیں بائیں قاضی احسان احمد شجاع آبادی اور ماسٹر تاج الدین انصاری اس طرح بیٹھے نظر آئے کہ دورانِ تقریر جس طرف بھی شاہ جی کی نظر جائے اپنے ساتھیوں کا دیا ہوا مشورہ بصورت ہدایات انہیں یاد دھانی کا موجب بنتا رہے۔ یہ اہتمام دیکھ کر آپ زیر لب مسکرائے اور جو کہنے لگے تھے اسکو چھوڑ کر فرمایا..... ایک عرصہ کے بعد انجمن حمایت اسلام نے مجھ جیسے فرنگی باغی کو خطاب کے لئے بلایا ہے! اب کہنے کو تو بہت کچھ ہے اور دل چاہتا بھی ہے! لیکن کیا کروں!

وسعتِ دل ہے بہت وسعت صحرا کم ہے
اس لئے مجھکو تڑپنے کی تمنا کم ہے!

آپکو معلوم ہے کہ میں مجلس احرار اسلام کا ایک عام ممبر ہوں اور جماعتی نظم و ضبط کا تقاضا ہوتا ہے کہ ہر کارکن اپنے رہنماؤں کی باتیں ہوشِ گوش سے سن کر اسے حکم سمجھ کر اس پر عمل کرنے کی کوشش کرے۔ مجھے یہاں آنے سے قبل میرے جماعتی قائدین محترم نے کچھ ہدایات دی ہیں۔ لیکن میں کیا کروں دوسری طرف حضور سرور کائنات ﷺ نے جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنا بہترین جہاد قرار دیا ہے! اس لئے اگر میں یہاں صرفِ نظر کر جاؤں تو میری اور ہدایات دینے والے ساتھیوں کی بھی روایات کے خلاف ہوگا۔

میرے بھائیو! آپ تو جانتے ہی ہیں کہ ہم مجلس احرار والے انگریزی حکومت کے باغی تھے۔ اس لئے ہماری ساری زندگی ریل اور جیل کی نذر ہو گئی! اس طرح اگر مجھے کوئی یہ کہے کہ میرا تعلق ایک بیرونی حکومت کے باغی گروہ سے تھا تو یہ میرے لئے غصہ کی بات نہیں اعزاز کی بات ہوگی! ہاں اگر مجھے کوئی یہ کہے کہ ہم احرار والے فرنگی حکومت کے کاسہ لیس تھے تو یقیناً ہمارے لئے یہ گالی ہوگی۔

اسی طرح اگر میں یہ کہوں کہ پنجاب کے جاگیرداروں اور خطاب و مراعات یافتہ وڈیروں نے فرنگی حکومت کی خدمت گزاری کو اپنی زندگی کا شعار بنائے رکھا اور صدر جلسہ کے بزرگ بھی انہیں میں سے تھے اور انہوں نے اپنے حلالی ہونے کا پورا پورا ثبوت دیا۔ تو اس پر غصہ نہیں آنا چاہیئے اس لئے کہ یہ خلاف حقیقت بات نہیں۔ جب صدر جلسہ انگلینڈ کی پر کیف فضاؤں میں اپنے آقایان ولی نعمت کے زیر سایہ انگریزی تعلیم میں مہارت حاصل کر رہے تھے۔ تاکہ فرنگی کی تہذیب و تمدن کے رموز و نکات از بر ہو جائیں، شکل و صورت اور چال ڈھال سے گوروں کی صحیح تصویر نظر آئیں۔ میں اگر یہ کہوں کہ حکومت برطانیہ کا منشاء بھی اس تعلیم سے (اگر اسے تعلیم کہا جاسکے) یہ تھا کہ تعلیمی اداروں سے نکل کر ہندوستانی نوجوان بالکل "کالے صاحب" نظر آئیں، اپنی مذہبی ثقافتی اور تاریخی روایات کو رودبارِ انگلستان کی نذر کر کے فرنگی بادشاہ اور ملکہ کی درازی عمر کے نغمے دل و دماغ میں بسا کر واپس اپنے ملک جائیں اور وہاں جا کر برطانیہ عظمٰے کے سایۂ ہمایونی کو برصغیر پر قائم رکھنے اور حکومت کے ہاتھ مضبوط کرنے کا باعث بنیں تو یہ ایک کھلی حقیقت کا اظہار ہوگا۔ اس میں خفگی یا پریشانی و افسوس کی کوئی بات نہ ہوگی۔

یہ لوگ خوش نصیب ہیں۔ جس آزادی کے حصول کی جدوجہد میں ہم عقوبت خانوں اور جیلوں میں ظلم و ستم کا شکار ہوئے اسی آزادی کا سورج طلوع ہونے کے ساتھ ہی صاحب صدر جلسہ اور ان کے رفقاء پھر کرسی نشین بنا دیئے گئے۔ لوگ تو یوں بھی کہتے ہیں کہ.....

منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے!

لیکن میں کہتا ہوں کہ بھائی ہماری منزل تو وہ ہے جس دن کچھ چہرے سفید اور کچھ سیاہ کر دیئے جائیں گے۔ میرے آقائے ﷺ نے فرمایا ہے کہ وہ دن آنا ہے اور ان شاء اللہ وہ دن آ کر رہے گا۔

اس لئے اس دنیا میں آزادی کا پھل نہ ملنے کا ہمیں ذرہ برابر افسوس نہیں۔ ہم آزادی چاہتے تھے، الحمد للہ ہماری قربانیاں رنگ لائیں۔ وہ جن کی حکومت میں کبھی سورج غروب نہیں ہوتا تھا، اپنا بستر بوریا لپیٹ کر سات سمندر پار چلے گئے اور ہم آزاد فضا میں اپنے ملک میں بیٹھے ہیں۔ ہم اس پر خوش ہیں حکومت تمہیں مبارک! میری خوشی لاانتہا ہے۔ بھائیو! ہم نے اسی لاہور میں ہزاروں باوردی جاں نثار رضا کاروں اور لاکھوں مسلمانوں کے اجتماع میں مروجہ انتخابی سیاست سے دست برداری اختیار کر لی تا کہ کارپردازان مملکت بغیر کسی ہچکچاہٹ اور رکاوٹ کے کوئی فلاح و بہبود کا کام کر سکیں۔ ہم نے یہ دست برادری کسی خوف یا لالچ سے نہیں بلکہ سوچ سمجھ کر رضاکارانہ طور پر کی ہے! اور ہم نے اپنے لئے تبلیغی و اصلاحی میدان کو منتخب کر کے باغیان محمد ﷺ کی سرکوبی اور انکی ملک دشمن سرگرمیوں کا قلع قمع کرنا اپنا وظیفۂ حیات بنالیا ہے۔ ہم نے اس حالت میں بھی ملک کو جب ضرورت پیش آئی تو فوری طور پر ملک عزیز کے قریہ قریہ شہر شہر میں احرار دفاع کانفرنسیں کر کے ہندوستان کے جارحانہ عزائم کو بے نقاب کیا اور لوگوں میں جذبۂ جہاد پیدا کر کے پوری قوم میں ایک سپرٹ پیدا کر دی اور اللہ کے فضل و کرم سے پوری قوم دشمنوں کے خلاف سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئی۔

میرے محترم بزرگو! اب ہم جس مسئلہ کے داعی ہیں وہ ہے تحفظ ناموس رسالت ﷺ کا معاملہ! نوع انسان کو عزت بخشنے والے آقا ﷺ کی عزت کی پاسداری اور حفاظت کی ذمہ داری یہ پوری امت کا فریضہ ہے۔ لیکن ہم احرار والوں نے ہمیشہ کے لئے خصوصی طور پر اس مسئلہ کو اولیت دی ہے اس کے لئے سینہ سپر رہے ہیں۔ اس لئے باغیانِ محمد ﷺ، دشمنان اسلام، عدوانِ ملک و ملت مرزائیوں کے محاسبہ کے و تعاقب ہم نے اپنا مشن بنا رکھا ہے۔ ہم اپنی پوری توانائیاں صرف کر کے بہی خواہانِ ملت کو بیدار کرنے کے لئے جهد کناں ہیں۔ ہم سب سے ملتجی ہیں، کیا حکمران اور کیا رعایا سب کو ملکر اپنے آقا حضرت محمد مصطفی ﷺ کی ختم المرسلینی کے تحفظ کا عہد کرنا چاہیئے!

ملک کے صدر، وزیر اعظم صوبوں کے وزرائے اعلیٰ، گورنروں، وزراء اور اسمبلیوں کے ممبران سمیت پاکستان کی تمام مذہبی اور سیاسی جماعتوں کو دشمنان ختم نبوت کی بیخ کنی کو اپنا سب سے اول فریضہ قرار دینا چاہیئے۔ میں بڑی ہی عاجزی سے آپکو کہتا ہوں کہ جس کی جوتیوں کے صدقہ میں یہ ملک معرض وجود میں آیا ہے، آج اس ملک میں ان ہی کی عظمت و حرمت خطرہ میں ہے۔ اسکی حفاظت تمہاری ذمہ داری ہے۔ تمہیں

تو ایسا انتظام و انصرام کرنا چاہئیے کہ حضور ﷺ کی ختم المرسلینی و عظمت کے پرچم چار دانگ عالم میں لہرائیں نہ یہ کہ اپنے ہی ملک میں عظمت مصطفی ﷺ معرض خطر میں ہو اور ہم خاموش رہ کر مجرم ٹھہریں!

میں تمہیں وارننگ دیتا ہوں کہ اگر غداران ختم نبوت مرزائیوں کو اسی طرح کھلی چھٹی ملی رہی اور انکے منہ میں لگام دیکر انہیں بے لگام ہونے سے نہ روکا گیا تو اس سے ملت اسلامیہ میں افراق و انتشار پیدا ہوگا جس سے پاکستان کے دفاع کو خطرات لاحق ہوجائیں گے۔ اور اسکی ذمہ داری۔...... اے محترم صدر جلسہ! آپ پر اور آپکے حکمران ساتھیوں پر ہوگی خسر الدنیا والاخرہ کی وعید کے آپ مستحق ہوں گے۔ ایک اور اہم بات بھی آپکی موجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ڈنکے کی چوٹ پر کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ہم احرار والے مٹ سکتے ہیں، مر سکتے ہیں، تختہ دار پر لٹک سکتے ہیں گولیوں سے ہمارے جسم چھلنی کئے جا سکتے ہیں ہمارے ہی آزاد کرائے ہوئے ملک میں ہماری آزادی چھینی جا سکتی ہے لیکن اس معاملہ میں رواداری کے نام پر ہم سے کسی نرمی اور مصلحت کی کوئی بھی توقع نہ کرے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ مرزائی پاکستان کے لئے باعث افراق ہیں اور وہ اپنے مکہ و مدینہ قادیان (جو کہ بھارت کے قبضہ میں ہے) کے لئے پاکستان میں رہتے ہوئے ففتھ کالم گروہ کا کام کر رہے ہیں۔ ان سے لاپروائی خود فریبی اور اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے!

اس کے بعد شاہ جی نے تلاوت کردہ آیات قرآنی اور احادیث مبارکہ کا ترجمہ کر کے اسلام کے عقائد پر روشنی ڈالی۔ ساڑھے گیارہ بجے شب صدر جلسہ میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ وزیر اعلےٰ پنجاب نے کورنش بجالاتے ہوئے شاہ جی سے جانے کی اجازت چاہی اور سلام کر کے خاموشی سے چلے گئے۔

جلسہ رات دو بجے تک جاری رہا۔ حضرت امیر شریعت نے مسئلہ ختم نبوت کی اہمیت، مرزائیت کی ریشہ دوانیاں، سر ظفر اللہ قادیانی (وزیر خارجہ) کے سازشی ماضی اور موجودہ ملت دشمن سرگرمیوں سے آگاہ کیا اور مرزا بشیر الدین خلیفہ ربوہ کے مذموم عزائم سے لوگوں کو خبردار کیا۔

دو بجے رات دعائے خیر کے بعد نعروں کی گونج میں جلسہ اختتام پذیر ہوا۔ (جاری ہے)

....

عظیم مجاہد آزادی — فدائے احرار

مولانا محمد گل شیر شہید

سوانح و افکار و خدمات

صفحات ۴۰۴

مؤلف: محمد عمر فاروق

قیمت: ۱۵۰ روپے

بخاری اکیڈمی، دار بنی ہاشم، مہربان کالونی ملتان: فون ۵۱۱۹۶۱

تحریر: جناب بشیر احمد ایم اے فلیچر اسکول آف لاء اینڈ ڈپلومیسی ترجمہ: ڈاکٹر سبطین لکھنوی

رد مرزائیت آخری قسط

تحریک تحفظ ختم نبوت ۱۹۵۳ء

موصوف لکھتے ہیں کہ:

اسرائیل میں قادیانی مشن کی کار گزاریاں

"اسرائیل میں احمدیہ (قادیانی) مشن "حیفہ" "ماؤنٹ" اور "کرمل" میں واقع ہے۔ وہاں ہماری (قادیانی) عبادت گاہ ہے۔ مشن ہاؤس ہے۔ ایک لائبریری ہے۔ ایک کتابوں کی دکان ہے۔ اور ایک اسکول ہے۔ "البشریٰ" کے نام سے ایک ماہوار جریدہ شائع ہوتا ہے۔ تقریباً تیس ممالک میں جس کی ترسیل ہوتی ہے۔ عربی ذرائع ابلاغ تک ہم قادیانی قابل رسائی ہو جاتے ہیں۔ مسیح موعود (مرزا غلام احمد قادیانی) کی کتابوں کا اسرائیلی مشن کے ذریعہ عربی زبان میں ترجمہ کیا جا چکا ہے۔ سرزمین فلسطین کے تقسیم ہو جانے کے بعد احمدی قادیانی مشن بہت متاثر ہوا ہے۔ فلسطین میں چونکہ مسلمانوں قلیل تعداد میں باقی رہ گئے ہیں۔ وہ مسلمان جن کی خدمت کرنے کا کوئی موقعہ قادیانی مشن نے کبھی ضائع نہیں کیا تھا۔ فلسطین کی تقسیم سے ہماری طاقت استخراج پذیر ہو گئی ہے۔ ابھی تھوڑے ہی دن گزرے ہیں کہ ہمارے نمائندے نے حیفہ کے میئر سے ایک انٹرویو لیا تھا۔ کافی سے زیادہ بحث کے دوران میں اس نے کہا "ہم نے کبابیر میں قادیانیوں کو حیفہ کے قریب ایک اسکول کھولنے کی منظوری دے دی۔ کبابیر میں ہم قادیانیوں نے فلسطینی عربوں کے ساتھ مل کر، ایک مضبوط احمدیہ برادری قائم کر لی۔ میئر نے وعدہ کر لیا کہ وہ قادیانی مشنری کو دیکھنے کے لئے قادیان آئیں گے۔ چنانچہ چار اہم شخصیتوں کے ساتھ میئر موصوف قادیانی مشن میں تشریف لائے تو وہاں قادیانی برادری اور قادیانی اسکول کے ہمارے طلباء نے ان کا باضابطہ استقبال کیا۔ مہمانوں کو خوش آمدید کہنے کے لئے ایک میٹنگ طلب کی گئی۔ یہودی میئر صاحب نے وزیٹرز بک میں اپنے تاثرات درج کئے۔ ایک چھوٹا سا واقعہ جو اسرائیلی مشن کو درپیش آیا وہ یہ ہے کہ ۱۹۵۶ء میں اسرائیل کی قادیانی جماعت کے انچارج چودھری محمد شریف قادیانی جب اپنی جماعت کے ہیڈ کوارٹر پاکستان واپس آ رہے تھے تو حکومت اسرائیل کے صدر کی طرف سے انہیں پیغام ملا کہ صدر مملکت، پاکستان جانے سے قبل ان سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ چودھری جی نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی ملاقات کے دوران میں اسرائیل کے صدر مملکت کو جرمنی زبان میں ترجمہ شدہ قرآن مجید کا ایک نسخہ ان کی خدمت میں پیش کیا۔ جسے انتہائی مسرت کے ساتھ صدر مملکت نے شرف قبولیت بخشا۔ اسرائیل کے اخبارات میں یہ انٹرویو بڑے وسیع پیمانے پر شائع ہوا۔ اور وہاں کے ریڈیو نے بھی اس کا خلاصہ نشر کیا۔ اسرائیل میں قادیانی پوزیشن کا اندازہ اس ننھے منے واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے۔ مرزا مبارک احمد کی کتاب (OUR FOREGIN MISSION مطبوعہ نصرت آرٹ پریس)

حقیقت پسند پارٹی اور مرزا محمود کے جنسی اسکینڈل

مرزا محمود جب اپنے یورپین دورے سے واپس لوٹے۔ تو انہوں نے دیکھا کہ ان کے باوا کے پہلے جانشین حکیم

نورالدین کے دو بیٹوں سمیت بعض اہم اور ذی وقار قادیانیوں نے مرزا محمود کی بد سلوکیوں اور ان کی آمریت کے خلاف ایک تند و تیز مہم چلا رکھی ہے۔ وہ گھبرا اٹھا اور بہت مایوس ہوا کیونکہ قادیانی حلقوں میں اپنی علمی فضیلت اور تقویٰ کی بنا پر حکیم نورالدین کے دونوں بیٹے عبدالمنان اور عبدالوہاب بڑی طاقت رکھتے تھے۔ مرزا محمود کی فیملی کے ساتھ ان کی قریبی رشتہ داری تھی۔ دونوں مرزا محمود کے نسبتی بھائی تھے (الفضل ربوہ اشاعت ۵ ستمبر ۱۹۵۵ء) یہ باب قادیانی جماعت کی تاریخ کا ایک دلچسپ باب ہے کہ مرزا محمود کے رفقاء کار نہ صرف یہ کہ خلیفہ ربوہ کی مخالفت پر اتر آئے تھے بلکہ انہوں نے مرزا محمود پر سنگین الزامات بھی عائد کئے تھے۔

۱۔ انجمن احمدیہ کے فنڈز مرزا محمود اپنے ذاتی اخراجات میں استعمال کرتا ہے۔ اسلام کی تبلیغ کے نام پر جمع کردہ رقم کا بے جا اسراف کرتا ہے۔(۱) مرزا محمود نے پاکستان کے مختلف حصوں میں جائداد خریدنے پر کثیر رقم صرف کی ہے۔ بڑی بڑی صنعتوں میں اپنے رشتہ داروں کے لئے حصص خریدے ہیں۔ اپنی ذات کے لئے کثیر دولت کے بادشاہ بن گئے ہیں۔ اس نے اور اس کے خاندان کے نرالے اور انوکھے افراد نے غیر ملکی معرکتہ الآراء بنیادوں پر حصص حاصل کر لئے ہیں۔ قانونی لحاظ سے ربوہ کی پوری جائداد مرزا محمود کی ذاتی جائداد میں شمار ہوتی ہے۔(۲)

۲۔ مرزا محمود جنسی دل جوئی میں ملوث ہے۔ اخلاقی خباثت اور کمینہ پن کا تشویش ناک حد تک مرتکب ہے۔ مرزا محمود کی شہوت رانی کی تکمیل کی خاطر اس کے تنخواہ دار ایجنٹ موصوف کو نوجوان اور خوبصورت لڑکیاں مہیا کرتے ہیں۔ مرزا محمود کے مذکورہ گناہوں کے ثبوت میں قادیانی لڑکیوں کے الزامات بار بار دہرائے جا رہے ہیں۔ الزامات عائد کرنے والی بعض لڑکیوں نے تو اپنی شناخت کو پوشیدہ رکھا۔ لیکن بہت سی آفت رسیدہ قادیانی لڑکیوں نے اپنے نام اور مکمل پتے اپنے بیانوں میں ظاہر کئے۔ قرآن مجید پر حلفیہ بیان کے ساتھ ان قادیانی لڑکیوں نے مرزا محمود کو مباہلے کا چیلنج دیا۔ اور اللہ پاک سے دعا مانگی کہ مذکورہ عورتیں اگر اپنے الزامات میں جھوٹی ثابت ہوں تو اللہ تعالیٰ کا قہر و غضب ان پر نازل ہو گا۔(۳)

۳۔ مرزا محمود کے ایجنٹ ان کے مخالفین حملے کرتے ہیں۔ مثلاً انہیں زدو کوب کیا گیا۔ ان سے ہاتھا پائی کی گئی۔ اور بعض حالتوں میں انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ جیسا کہ فخرالدین ملتانی کے ساتھ یہ سانحہ ہوا۔ مرزا جی کے ایجنٹ خلافت ربوہ کے مخالفین کے لئے بائیکاٹ۔ جلاوطنی، ذہنی اذیت کی افواہیں پھیلا کر تحقیر اور شرم دلانے کی جنگی سائنس کی چال کے بل بوتے پر انہیں محمودی ڈکٹیٹر شپ کے اعلان پر مجبور کیا جاتا ہے۔ قادیانی خواتین کو بدترین طریقوں سے تنگ کیا گیا۔ خدام الاحمدیہ کے کارکن قادیانی خواتین کی تذلیل کرتے تھے۔ خلافت ربوہ سے بغاوت کرنے والوں کو خدام الاحمدیہ کے بے لگام اور اودھم مچانے والے نوجوانوں کے ہاتھوں قتل و غارت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ ان آفت رسیدہ قادیانیوں میں بڑی اہم شخصیات یہ تھیں۔ خلیفہ نورالدین کے دونوں لڑکے عبدالمنان

۱۔ کتاب دور حاضر کا مذہبی آمر، تصنیف راحت ملک صفحہ ۵۴ مطبوعہ البلاغ پریس لاہور۔

۲۔ کتاب مرزا محمود کی مالی بے اعتدالیاں صفحہ ۸ مطبوعہ البلاغ پریس لاہور۔

۳۔ کتاب تاریخ محمودیت کے چند اہم مگر پوشیدہ اوراق مطبوعہ گیلانی پریس لاہور۔

اور عبدالوہاب۔ ملک عزیزالرحمان۔ پروفیسر فیض الرحمان فیضی۔ راجہ بشیر احمد رازی۔ چودھری غلام رسول۔ چودھری عبدالحمید دادا۔ محمد یونس ملتانی۔ راحت ملک۔ عبداللطیف۔ عبدالرب برھم۔ چودھری صلاح الدین ناصر۔ ایم ماجد۔ مرزا حیات تاثیر۔ یوسف ناز۔ اور علی محمد اجمیری۔ ان سب پر فتویٰ عائد کر دیا گیا کہ یہ لوگ سازشی۔ بدمعاش۔ مردود اور خبیث ہیں۔ ان سب کو قادیانی جماعت سے نکال دینے کا اعلان جاری کیا گیا۔ لیکن ان میں سے اکثر اپنی مرضی سے قادیانی جماعت کو چھوڑ گئے تھے۔(۴)

۴۔ قطع نظر اس کے کہ مرزا محمود کے رشتہ دار، نااہل ہیں خلیفہ ربوہ نے ان رشتہ داروں کو قادیانی جماعت کی کلیدی اسامیوں پر تعینات کیا۔ اس قسم کی اقربا نوازی برادرانہ حمایت ایک ایمان دار انسان نہیں کر سکتا۔

۵۔ مرزا محمود اپنے اس دعوے سے دنیا کو دھوکہ دے رہا ہے کہ وہ مصلح موعود اور اللہ کا بنایا ہوا خلیفہ ہے۔ یہ سو فیصد بے بنیاد دعویٰ ہے۔ جب اس نے یہ جھوٹا دعویٰ کیا تو اس پر خدائی قہر ٹوٹ پڑا۔ نتیجے میں فالج اور دیگر متعدد بیماریوں میں مبتلا ہو گیا۔

۶۔ مرزا محمود کھلے اور پوشیدہ طریقوں سے اپنے بیٹے مرزا ناصر احمد کی ڈکٹیٹر شپ کے لئے راستے ہموار کر رہا ہے۔ اور مرزا محمود کے مرنے کے بعد ۱۹۶۵ء میں یہ حقیقت ثابت ہو گئی۔

۷۔ مرزا محمود نے ۱۹۵۳ء کے انکوائری کمیشن کے سامنے اپنے اصل عقائد پر پردہ ڈال دیا تھا تاکہ عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکی جا سکے۔ اور عدالت کو فریب کے پردے میں رکھا جائے۔ وہ اپنے وقت کا بڑا موقع پرست سیاست دان تھا۔ اس نے ظاہری سیاسی طاقت کے ساتھ معاہدہ کر لینے کے موقع کو کبھی ضائع نہیں ہونے دیا۔(۱) اپنی اجارہ داری کو قائم و دائم رکھنے کے لئے مرزا محمود نے ہر ممکنہ اقدام پر عمل کیا۔ خلیفہ ربوہ کے پیروکار اس کے مخالفین کے لئے ایک ڈھال بن گئے۔ تاکہ مخالفین کی سازشوں کو بے نقاب کیا جا سکے۔ مخالفین سازشیوں اور نقصان رساں موذیوں کے خلاف قادیانی جماعت نے ڈھیر سارے ریزولیشن پاس کئے کہا گیا کہ ان لوگوں کو پیغامیوں یعنی لاہوری جماعت کے قادیانیوں کی سرپرستی اور تعاون حاصل ہے (مرزا محمود کی تقریر بہ عنوان نظام اسلامی کی مخالفت مورخہ ۲۷ دسمبر ۱۹۵۶ء مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس ربوہ) قادیان کے سابق درویش اللہ رکھا قادیانی (جو اب سازشیوں میں شمار کئے جا رہے تھے) پر الزام عائد کیا گیا کہ مرزا محمود کو قتل کر کے مخالفین اللہ رکھا قادیانی کو خلیفہ ربوہ کا قائم مقام بنانا چاہتے تھے۔ قادیانیوں کے اس بیان میں کوئی صداقت نہیں تھی لیکن مرزا محمود اللہ رکھا قادیانی کے اس (ناکردہ) جرم کو بار بار دہراتے تھے۔ غالباً ان دنوں مرزا جی مالیخولیا کے مرض میں مبتلا تھے۔ اللہ رکھا قادیانی کے خلاف بھی قادیانی جماعت کی طرف سے ریزولیشن پاس کئے گئے (الفضل ربوہ ۳۔ ۲۹ جولائی ۱۹۵۶ء) الفرقان ربوہ شمارہ یکم ستمبر ۱۹۵۶ء) مرزا محمود کو ایک نبی سے زیادہ یا کم ایک ایسے مامور من اللہ مرشد کی طرح پیش کیا جانے لگا جو کسی مذہبی حکومت کا پیشوا ہوتا ہے۔ مخالفین کی طرف سے پیدا کردہ عام بے چینی اور اضطراب کا سدباب کرنے کے لئے ایک قادیانی اجتماع بھی طلب کر لیا گیا۔ حقیقت پسند پارٹی کے اولین صدر قادیانی جماعت کے دفتر سوٹلمنٹ کے

۴۔ کتاب ربوہ کے محمودی منصوبے مطبوعہ سندھ ساگر اکیڈمی

۱۔ خلیفہ ربوہ کے دو مذہب از صالح نور ۲۔ احمدیت سے محمودیت تک۔ احمدیت کا دم واپسیں

آغیسر علی محمد کے صاحبزادے راجہ رازی تھے۔ قادیانی پاپائیت کی حقیقت اس کے اخلاقی کردار اور قادیانی نام نہاد صداقت اسلام کے نثار حسین کے خلاف اس پارٹی نے کافی لٹریچر شائع کیا قادیانی جماعت کی تاریخ کا ایک متین اور سنجیدہ قاری طالب علم قادیانیت کے اس منظر سے چشم پوشی نہیں کر سکتا۔ تلخ ہونے کے باوجود قادیانیت کی ان مجنونانہ مکروہ اور بدمزہ سرگرمیوں کے حقائق بیان کرنے ہی پڑتے ہیں۔

پاکستانی حکمرانوں کے محلاتی جوڑ توڑ اور سیاسی سازشیں

پاکستان کے دو اہم بیورو کریٹ اسکندر مرزا اور چودھری محمد علی نے غلام محمد ملک کی علیحدگی اور استعفیٰ کے بعد بالترتیب صدر اور وزیر اعظم کے عہدوں کے ساتھ دھوکے سے کام لیا۔ لیکن یہ دونوں جلد ہی آپس میں لڑنے لگے۔ یہ وہ دور تھا جب نوکر شاہی بلندیوں کو چھو رہی تھی۔ اور ملک کی سیاست محلاتی سازشوں کے مترادف تھی۔ اسکندر مرزا نے سیاست دانوں کو آپس میں لڑانے کی پرانی ٹیکنیک کو اپنا رکھا تھا۔ وہ اپنی شخصی اور ذاتی حکومت قائم کرنے کے لئے اپنے آپ کو کسی قانون کا پابند نہ سمجھنے کی طاقت کا استعمال کرتا تھا۔ پہلے اس نے چودھری محمد علی سے جان چھڑائی اور پھر بنگالیوں کی طرف دھیان دینا شروع کر دیا جو گھن گرج کے ساتھ آمریت کی مخالفت کرتے تھے۔ (سیاست کے اس دلچسپ کھیل میں للمترجم) اسپیکر کے ذریعہ مشرقی پاکستان کی صوبائی اسمبلی میں ایک مصنوعی بحران پیدا کیا گیا۔ اسپیکر صاحب نے جگتو فرنٹ کے ارکان کو اسمبلی میں بجٹ پیش کرنے کے لئے نااہل قرار دے دیا تھا۔ اور اسمبلی نے اجلاس کو غیر معینہ مدت کے لئے ملتوی کر دیا۔ اس بحران نے مرکزی حکومت کو کھلی چھٹی دے دی کہ وہ جگتو فرنٹ وزارت کو سبکدوش کر دے۔ چنانچہ ۲۶ مئی ۱۹۵۶ء کو مشرقی پاکستان میں صدر راج نافذ کر دیا گیا۔ پھر پارلیمانی حکومت یکم جولائی کو بحال کر دی گئی۔ اور مشرقی بازو میں ابو حسین سرکار نے جگتو فرنٹ حکومت کو تشکیل دیا۔ چند دنوں صوبائی حکومت کے لئے ایک دوسرے بحران کو پیدا کرنے کا بہانہ تراشا گیا۔ لہذا صوبائی وزیر اعلیٰ کی مرضی کے برعکس اسمبلی کے اجلاس کو غیر معینہ مدت تک کے لئے ملتوی کر دیا گیا۔ اور ۳۱ اگست ۱۹۵۶ء کو مشرقی پاکستان میں دوبارہ صدر راج نافذ کر دیا گیا۔ انہی دنوں میں مغربی پاکستان کے چاروں صوبوں کو مدغم کر کے ایک صوبہ بنانے یعنی "ون یونٹ" بنانے کے خلاف ایجی ٹیشن کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ ۲۰ مارچ ۱۹۵۷ء کو مغربی پاکستان کا کابینہ نے اپنا استعفیٰ پیش کر دیا۔ اور "ون یونٹ" یعنی مغربی پاکستان کے صوبے کو صدر راج نے فوراً ہی اپنے شکنجے میں جکڑ لیا۔ ... کے بعد صوبہ سرحد کے سابق انسپکٹر جنرل پولیس مسٹر عبدالرشید

ڈاکٹر خان صاحب کی جگہ مغربی پاکستان کا وزیر اعلیٰ مقرر ہوئے۔ تو گیارہ اکتوبر ۱۹۵۷ء کو اسکندر مرزا نے مسٹر حسین شہید سہروردی سے جان چھڑالی۔ جو مشرقی اور مغربی پاکستان کے دونوں حصوں میں مقبول عام ہو رہے تھے۔ مسٹر سہروردی کی یہ مقبولیت اسکندر مرزا کے لئے ایک بہت بڑا چیلنج بن سکتی تھی۔ لہذا ایک دوسرے بحران کو پیدا کرنا ناگزیر ہو چکا تھا۔ "ون یونٹ" کے مسئلے پر ری پبلکن پارٹی کے ارکان مسٹر سہروردی کے ساتھ اتحاد کرنے سے دستبردار ہو گئے تو مسٹر سہروردی نے صدر مرزا سے اعتماد کا ووٹ حاصل کرنے کی خاطر، قومی اسمبلی کے اجلاس کو طلب کرنے کی درخواست کی۔ اسکندر مرزا نے انکار کر دیا۔ سہروردی صاحب کے لئے مستعفی ہو جانے کے علاوہ اس

طرح اور کوئی چارہ کار باقی نہ رہا۔ جلد اور فوری اجلاسوں کے بعد آئی آئی چندریگر اور فیروز خان نون کی قیادت میں وفاقی حکومت کی دو عدد کابینہ جات بنائی جاتی رہیں۔ لیکن سات اکتوبر ۱۹۵۸ء کو اسکندر مرزا نے بالآخر جمہوریت کو ایک آخری لات رسید کر دی اور شخصی آمریت کی خاطر مارشل کا اعلان کر دیا۔ مرکزی اور صوبائی وزارتیں ختم کر دی گئیں دستور پر خط تنسیخ پھیر دیا گیا۔ اسمبلیاں برخواست کر دی گئیں۔ اور فوج کے کمانڈر انچیف محمد ایوب خان صاحب چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مقرر کر دیئے گئے۔ ایوب خاں صاحب آخر کار اس داؤ گھات میں سبقت لے گئے۔ ۱۹۵۴ء سے ۱۹۵۸ء کے دور میں امریکی سامراج کے ساتھ پاکستان نے معاہدہ کر لیا تھا۔ "سیٹو" اور "سینٹو" معاہدوں میں شریک ہونے سے پاکستان کا عرب دنیا میں وقار گھٹ کر رہ گیا تھا۔ مصر کے صدر جمال عبد الناصر نے ان معاہدوں کی شدت سے مخالفت کی۔ روس نے پاکستان پر الزام عائد کیا کہ اس نے مغربی دنیا میں جارحیت کے رویے کو اپنا رکھا ہے۔ اس الزام کی بنا پر روس بھارت کا زبردست حمایتی بن گیا۔ خاص طور پر مسئلہ کشمیر پر روس نے بھارت کی پرجوش حمایت کی۔ یہودیوں اور سامراجیوں نے جب مصر پر حملہ کیا اور مصر نے اپنی گرفت مضبوط رکھی تو عرب دنیا کو مصر کی امداد کرنے سے روک دیا گیا تھا۔ سہروردی حکومت کے اس اعلان نے پاکستان کے تشخص کو داغدار کیا۔ (آؤٹ لک کراچی شمارہ ۱۴ اپریل ۱۹۷۳ء)

حکومت پاکستان کی طرف سے قادیانی جماعت کو ایک سیاسی جماعت قرار دینے کی تجویز

پاکستان کی سیاست میں قادیانیوں کا ملوث ہونا اس حد تک اپنی جڑیں مضبوط کر چکا تھا کہ قادیانی جماعت کو ایک سیاسی جماعت قرار دیئے جانے کی تجویز خود حکومت پاکستان کے زیر غور تھی۔ اسلام آباد کے اخبار روزنامہ مسلم میں ایک معروف صحافی انکشاف کرتے ہیں کہ:

۱۹۵۷ء میں مجھے یاد پڑتا ہے کہ پنجاب کی سی آئی ڈی نے جماعت احمدیہ (قادیانیہ) کو ایک سیاسی تنظیم قرار دینے کا اعلانیہ تیار کرنے کا ایک کیس بنایا تھا کیونکہ پنجاب حکومت کی نظروں میں یہ قادیانی جماعت ایک مشکوک ساعت تھی۔ قادیانی جماعت کے بارے میں حکومت کی ایک ضمنی ڈائری میں یہ اعلان کیا گیا تھا کہ یہ جماعت غیر دنی جماعت ہے۔ سرکاری ملازمین کو تنبیہہ کی گئی کہ وہ اس (قادیانی) جماعت سے تعلق نہ رکھیں۔ سی آئی ڈی کی ں ذیلی تنظیم کو "احمدیہ انٹیلیجنس اسٹاف" کا نام دیا گیا۔ "احمدیہ انٹیلیجنس" حکومت پاکستان کے مختلف محکموں میں اپنے CELLS قائم کر لئے تھے۔ لاہور شہر اور دوسرے بڑے بڑے شہروں میں متعین احمدی (قادیانی) فوجی ملازمین کی لسٹ مرتب کی گئی۔ حکومت پاکستان کے علم میں یہ بات لائی گئی کہ احمدی (قادیانی) آفیسرز، اپنے خفیہ اجتماعات بلاتے ہیں۔ (روزنامہ مسلم اسلام آباد مطابق ۲۴ مئی ۱۹۸۴ء)

"احمدیہ انٹیلیجنس" نے ۱۹۵۸ء کے مارشل لاء کے تحت پیمائش کا ایک نیا رخ اختیار کر لیا۔ قادیانی جماعت کو پھیلنے اور دور دور تک اپنی مضبوط گرفت حاصل کرنے کے لئے ایوب خان صاحب سرپرستی فرماتے رہے۔

□□

مولانا مشتاق احمد (چنیوٹ)

تضادات مرزا قادیانی

قرآن مجید اور وحی اور الہامات کے بارے میں تضاد بیانی

تصویر کا پہلا رخ

۱- سچا الہام اپنے ساتھ ایک لذت اور سرور کی خاصیت لاتا ہے..... اور اسکی عبارت فصیح اور غلطی سے پاک ہوتی ہے (ضرورت الامام ص۱۸، روحانی خزائن ص ۴۸۸، ومثلہ خطبہ الہامیہ ص۲۳)

۲- اور یہ بالکل غیر معقول اور بیہودہ امر ہے کہ انسان کی اصل زبان تو کوئی اور ہو اور الہام اس کو کسی اور زبان میں ہو جس کو وہ سمجھ بھی نہیں سکتا- (چشمۂ معرفت ص۲۰۹، روحانی خزائن ص۲۱۸)

۳- صرف عربی زبان ہی ایسی زبان ہے کہ جو خدائے قادر مطلق کی وحی اور الہام سے ابتداء زمانہ میں انسان کو ملی...... دوسری زبانیں ایک کثافت اور تاریکی کے گڑھے میں پڑی ہوئی ہیں اس لئے وہ اس قابل ہر گز نہیں ہو سکتیں کہ خداتعالیٰ کا کامل اور محیط کلام ان میں نازل ہو (آریہ دھرم ص۸)

۴- اور محدث بھی ایک معنی سے نبی ہی ہوتا

تصویر کا دوسرا رخ

۱- الاالذین آمنو او عملو الصالحات (البشریٰ ص۵۶ / ج۲) مستثنیٰ منہ ندارد

(۲) والسماء والطارق (البشریٰ ص۴۷ / ج۱) جواب قسم ندارد- کمترین کا بیڑا غرق ہو گیا (البشریٰ ص۱۲۱ / ج۲) بیمار بہت ہی چیخیں مارتا ہے (البشریٰ ص ۱۴۰ ج۲) نتیجہ ندارد- کلام افصحت من لدن رب کریم (حقیقتہ الوحی ص۳۶۲) یہ عبارت غلط ہے مثالیں بے شمار ہیں اختصاراً صرف امثلہ مذکورہ پر اکتفا کیا جاتا ہے- یہ تمام الہامات بدمزہ اور لفظی و معنوی طور پر غلط ہیں-

۲- مگر اس سے زیادہ تر تعجب کی یہ بات ہے کہ بعض الہامات مجھے ان زبانوں میں بھی ہوتے ہیں جن سے مجھے کچھ بھی واقفیت نہیں جیسے انگریزی یا سنسکرت یا عبرانی وغیرہ (نزول المسیح ص۵۷، روحانی خزائن ص۴۳۵)

۳- بعض الہامات مجھے ان زبانوں میں بھی ہوتے ہیں جن سے مجھے کچھ بھی واقفیت نہیں، جیسے انگریزی یا سنسکرت یا عبرانی وغیرہ (نزول المسیح ص۵۷، روحانی خزائن ص۴۳۵)

۴- سو ایسا ہی روحانی طور پر شیطان نے یسوع کے

ہے...... امور غیبیہ اس پر ظاہر کئے جاتے ہیں اور رسولوں اور نبیوں کی وحی کی طرح اس کی وحی کو بھی دخل شیطان سے منزہ کیا جاتا ہے (توضیح مرام ص ۱۸، روحانی خزائن ص ۶۰)

دل میں اپنا کلام ڈالا۔ یسوع نے اس شیطانی الہام کو قبول نہ کیا...... بائیبل میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ چار سو نبی کو شیطانی الہام ہوا تھا (ضرورت الامام ص ۱۷، روحانی خزائن ص ۴۸۷)

۵۔ اگر ہر ایک سخت اور آزاردہ تقریر کو محض بوجہ اس کے کہ مرارت اور تلخی اور ایذا رسانی کے دشنام کے مفہوم میں داخل کر سکتے ہیں تو پھر اقرار کرنا پڑے گا کہ سارا قرآن شریف گالیوں سے پر ہے (ازالہ اوہام ص ۱۴/ ج ۱، روحانی خزائن ص ۱۰۹)

۵۔ لیکن خدا تعالیٰ نے قرآن شریف کو جو معجزہ عطا فرمایا ہے وہ اعلیٰ درجہ کی اخلاقی تعلیم اور اصول تمدن کا ہے اور اس کی بلاغت اور فصاحت کا ہے جسکا کوئی انسان مقابلہ نہیں کر سکتا (ملفوظات احمدیہ ص ۱۷۲/ ج ۱۰)

۶۔ ہم کہتے ہیں، کہ قرآن کہاں موجود ہے؟ اگر قرآن موجود ہوتا تو کسی کے آنے کی کیا ضرورت تھی؟ مشکل تو یہی ہے کہ قرآن دنیا سے اٹھ گیا ہے اسی لئے تو ضرورت پیش آئی کہ محمد رسول اللہ کو بروزی طور پر دوبارہ دنیا میں مبعوث کر کے آپ پر قرآن شریف اتارا جاوے۔ (کلمتہ الفصل ص ۱۷۳، از مرزا بشیر الدین محمود)

۶۔ قرآن شریف قانون آسمانی اور نجات کا ذریعہ ہے۔ اگر ہم اس میں تبدیلی کریں تو یہ بہت ہی سخت گناہ ہو گا۔ تعجب ہو گا کہ ہم یہودیوں اور عیسائیوں پر بھی اعتراض کرتے ہیں اور پھر قرآن شریف کے لئے وہی روا رکھتے ہیں۔ مجھے اور بھی افسوس اور تعجب آتا ہے کہ وہ عیسائی جن کی کتابیں فی الواقعہ محرف و مبدل ہیں وہ تو کوشش کریں کہ تحریف ثابت نہ ہو اور ہم خود تحریف کی فکر میں ہیں (ملفوظات احمدیہ، ج ۷ ص ۱۶۸)

۷۔ امر سوم کہ ملہم و نبی کی اجتہادی غلطی بھی وحی کے ماتحت ہوتی ہے اور وہ اس کی غلطی نہیں بلکہ وحی کی غلطی ہوتی ہے (آئینہ کمالات اسلام ص ۱۴۰)

۷۔ مگر خدا کی وحی میں غلطی نہیں ہوتی۔ ہاں اس کے سمجھنے میں اگر احکام شریعت کے متعلق نہ ہو کسی نبی سے غلطی ہو سکتی ہے (تتمہ حقیقت الوحی ص ۱۳۵)

۸۔ یونہی کسی آیت کا سر پیر کاٹ کر اور اپنے مطلب کے موافق بنا کر پیش کرنا یہ تو ان لوگوں کا کام ہے جو سخت شریر اور بدمعاش اور گندے کہلاتے ہیں (چشمۂ معرفت ص ۱۹۵/ ج ۲، روحانی

۸۔ مرزائی تحریفات
ھوالذی ارسل رسولہ بالھدیٰ۔ اس جگہ رسول سے مراد یہ عاجز ہے۔ (ایام الصلح ص ۷۵، روحانی خزائن ص ۳۰۹) محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار

خزائن ۲۰۴ و مثلہ نزول مسیح ص ۴۲، روحانی خزائن ص ۴۱۸)

۹۔ جبرئیل امین انبیاء کی طرف وحی لانے کے لئے مقرر ہیں ان کے سوا کوئی دوسرا فرشتہ اس کام کے لئے مقرر نہیں (ازالہ اوہام ص ۵۳۳ و مثلہ ۵۸۴)

۱۰۔ شیطان گونگا ہے اور اپنی زبان میں فصاحت اور روانگی نہیں رکھتا اور گونگے کی طرح وہ فصیح اور کثیر المقدار باتوں پر قادر نہیں ہو سکتا۔ صرف ایک دو بدبو دار پیرا یہ میں فقرہ در فقرہ دل میں ڈال دیتا ہے.... اور نہ وہ بہت دیر تک چل سکتا ہے گویا جلدی تھک جاتا ہے (حقیقۃ الوحی ص ۱۳۹، ۱۴۰)

۱۱۔ محرف قرآن ملحد اور کافر ہے (ازالہ اوہام ص ۱۳۸ و مثلہ چشمہ معرفت ص ۱۹۵)

رحماء بینھم ......اس وحی الٰہی میں میرا نام محمد رکھا گیا ہے اور رسول بھی (ایک غلطی کا ازالہ ص ۳)

۹۔ مرزا صاحب پر وحی لانے والے فرشتے

(۱) ٹیچی ٹیچی (حقیقۃ الوحی ص ۳۳۲)(۲) مٹھن لال (تذکرہ ص ۵۱۵)(۳) درشنی (مکاشفات ص ۳۱) (۴) خیراتی۔(تریاق القلوب ص ۱۹۲)(۵) شیر علی (تریاق القلوب ص ۱۹۲)

۱۰۔ (مبہم اور مہمل الہامات کے چند نمونے)

بعد ۱۱۔ انشاء اللہ (البشریٰ ص ۶۵ ج ۲)

اس کتے کا آخری دم ہے (البشریٰ ص ۷۰ ج ۲)

خاکسار پیپر منٹ (البشریٰ ص ۹۴ ج ۲)

دو شہتیر ٹوٹ گئے (البشریٰ ص ۱۰۰ ج ۲)

کمترین کا بیڑا غرق ہو گیا (البشریٰ ص ۱۲۱ ج ۲)

عورت کی چال۔ ایلی ایلی لما سبقتانی بریت۔ واذ کففت بنی اسرائیل (البشریٰ ص ۱۰۷ ج ۲)

۱۱۔ مرزا قادیانی نے ساٹھ سے زیادہ قرآنی آیات میں تحریفات کی ہیں، چند نمونے یہ ہیں۔

۱۔ قل لئن اجتمعت الجن والانس علی ان یا توابمثل ھذا القران لایا تون بمثلہ ولو کان بعضم لبعض ظھیرا (بنی اسرائیل ۸۹،براہین احمدیہ ص۴۹۲)

جبکہ قرآن مجید میں قل لئن اجتمعت الانس والجن الخ.... مذکور ہے۔

۲۔ انا اتیناک سبعاً من المثانی والقران العظیم (پ ۱۴

براہین احمدیہ ص ۴۸۸) جبکہ دراصل آیت یوں ہے

ولقد اتیناک سبعاً من المثانی والقرآن العظیم۔

۱۲- کسی کتابِ حدیث یا قرآن شریف میں قادیاں کا نام لکھا ہوا نہیں پایا جاتا (ازالہ اوہام ص۷۴ / حاشیہ، قدیم ص۳۳ / حاشیہ)

۱۲- تین شہروں کا نام اعزاز کے ساتھ قرآن شریف میں درج کیا گیا ہے مکہ اور مدینہ اور قادیان (ازالہ اوہام ص۷۶، ۷۷ حاشیہ قدیم ص۳۴ حاشیہ، روحانی خزائن ص۱۴۰)

۱۳- قرآن شریف کی جگہ صرف حدیث پڑھ کر نماز نہیں ہو سکتی (ازالہ اوہام ص۵۲۹ / ج۲، روحانی خزائن ص۳۸۴)

۱۳- مرزا قادیانی کی موجودگی میں اس کے مرید پیر سراج الحق نے مغرب کی نماز پڑھائی، مرزا صاحب بھی مقتدیوں میں شامل تھے۔ پیر سراج الحق نے تیسری رکعت میں رکوع کے بعد فارسی نظم پڑھی لیکن کسی نے تنقید نہ کی اور نہ ہی نماز دہرائی (سیرت المہدی ص۱۳۸ / ج۳) حالانکہ جب حدیث پڑھنے سے نماز درست نہیں تو فارسی نظم پڑھنے سے نماز کب درست ہو گی؟

۱۴- (تورات، انجیل، زبور کے متعلق لکھا) وہ کتابیں آنحضرت ﷺ کے زمانہ تک ردّی کی طرح ہو چکی تھیں اور بہت جھوٹ ان میں ملائے گئے تھے جیسا کہ کئی جگہ قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے وہ کتابیں محرف مبدّل ہیں (چشمۂ معرفت ص۲۵۵، روحانی خزائن ص۲۶۶)

۱۴- اور یہ کہنا کہ وہ کتابیں محرف مبدّل ہیں ان کا بیان قابلِ اعتبار نہیں ایسی بات وہ ہی کہے گا جو خود قرآن شریف سے بے خبر ہے (چشمۂ معرفت ص۷۵ حاشیہ، روحانی خزائن ص۸۳)

صحابہ کرامؓ کے متعلق تضاد بیانی

تصویر کا پہلا رخ

۱- اور آنحضرت ﷺ کی وجوہ فضیلت میں سے یہ بھی ایک وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے ایسی اعلیٰ درجہ کی جماعت تیار کی میرا دعویٰ ہے کہ ایسی جماعت آدم سے لے کر آخر تک کسی کو نہیں ملی (ملفوظات ص۲۹۳ ج۸)

۲- غرض یہ امر نہایت درجہ کی شقاوت اور بے ایمانی میں داخل ہے کہ حسینؓ کی تحقیر کی جائے

تصویر کا دوسرا رخ

۱- بعض نادان صحابیؓ جن کو درایت سے کچھ حصہ نہ تھا (ضمیمہ نصرہ الحق ص۲۸۵، ج۵) ضمیمہ براہینِ احمدیہ۔

بعض ایک دو کم سمجھ صحابہؓ جنکی درایت عمدہ نہ تھی (اعجاز احمدی ص۱۲۶، ج۱۸)

کربلا ئیست سیرِ ہر آنم
صد حسینؓ است در گریبانم

(مجموعہ اشتہارات ص ۵۴۵، ج ۳)

۳۔ صحابہؓ کی تو وہ پاک جماعت تھی جس کی تعریف میں قرآن شریف بھرا پڑا ہے (ملفوظات ص ۴۳، ج ۱)

کربلا میں ہر وقت میری سیر ہے سو حسینؓ میرے گریبان میں ہیں (نزول المسیح ص ۹۹، روحانی خزائن ص ۴۷۷)

۳۔ (مرزا کے اقوال میں توہینِ صحابہؓ)

۱۔ ابوہریرہ جو غبی تھا اور درایت اچھی نہیں رکھتا تھا (اعجاز احمدی ص ۱۸، روحانی خزائن ص ۱۲۷) مثلہ ضمیمہ براہین احمدیہ ص ۴۱۰، ج ۵)

۲۔ حق تو یہ ہے کہ ابن مسعود ایک معمولی انسان تھا (ازالہ اوہام ص ۴۲۲/۵۹۶)

(بقیہ از ص ۳۷)

افغانستان میں سینما بند کر دیئے گئے (ایک خبر)

○ بنیاد پرست زندہ باد!

وزیر خزانہ نے "شہاب بجٹ" پاس ہونے کی خوشی میں نامحرم عورت کے ساتھ ڈانس کر کے جشن منایا (اقبال حیدر)

○ پیپلز پارٹی کے وزیر ایسے ہی خوشی مناتے ہیں۔

پولیس کو نکیل ڈال دی جائے تو تمام مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ (عالم چنا)

○ نکیل ڈالنے والے تو خود وارداتیں کرواتے ہیں!

وزیر اعظم ہاؤس میں محافل میلاد منعقد ہوں گی (ایک خبر)

○ اور محفل میلاد کے بعد محفل موسیقی..... دھوکا فریب اور کسے کہتے ہیں؟

زرداری کا نام لینے پر جسٹس نظام کی بہو کو ۳ دن کے لئے بے ہوش کر دیا گیا (ایک خبر)

○ شکر کرو بے ہوشی میں جان چھوٹ گئی

تلمبہ پولیس کا کاشتکار پر تشدد۔ منہ میں پیشاب کیا گیا (ایک خبر)

○ پولیس کا فرض مدد آپ کی۔

۱۹ لاکھ کا زردار بنگلہ ۱۰۹ لاکھ میں نیشنل بنک کو بیچ دیا (ایک خبر)

○ "مجھے اور زرداری کو پیسے سے محبت نہیں"

میں مر سکتی ہوں۔ حکومت نہیں چھوڑ سکتی (بے نظیر)

○ اللہ کرے تو مر جائے (آمین)

سرے کا محل نواز شریف نے خریدا (خالد کھرل)

○ جو جمے گوڈیوں لے!

زبان میری ہے بات ان کی

بارش سے بوسیدہ دیوار گر گئی۔ میاں، بیوی، دو بچے جاں بحق (ایک خبر)

○ "بی بی نے غریبوں کا مقدر بدل دیا"

پارٹی منع نہ کرے تو بابوں کو "چوسنی گروپ" کہوں۔ (شیخ رشید)

○ کہ بچپن اور بڑھاپا برابر ہوتے ہیں۔

مخالفین علاقہ میں ترقیاتی کام دیکھ کر گھبرا گئے ہیں۔ (فضل الرحمن)

○ پجارو + لینڈ کروزر + دولت + کلاشن کوف۔ (ترقیاتی کام)

عوام نے ہمیں پانچ سال کا میڈیٹ دیا ہے۔ (بے نظیر)

○ دو سال باقی ہیں، ملک میں جو کچھ بچا ہے لوٹ لو۔

عمران خان پاگل بھیڑوں کا گوشت درآمد کرتے ہیں (وزیر داخلہ)

○ لوگ آپ کو پاگل بھیڑیا کہتے ہیں۔

کرپشن کے خاتمے کے لئے حکومت اور اپوزیشن مل جل کر کام کریں (لغاری)

○ مک مکا کرلیں۔

مارشل لاء کی گنجائش نہیں۔ (بے نظیر)

○ جمہوریت کے نام پر صرف "زرداری گردی کی گنجائش ہے۔"

جنرل ضیاء الحق بلیو فلمیں دیکھا کرتے تھے۔ (حاجی حبیب الرحمن)

○ ڈھالے ہیں سیم وزر نے کمینے نئے نئے

حسین و جمیل عورتیں تو مغرب کی ہیں۔ مشرقی خواتین تو گائے بھینس ہیں (حاجی حبیب الرحمن)

○ آپ کے گھر کا قصہ معلوم ہوتا ہے حاجی صاحب!

عدلیہ کی جو عزت ہمارے دور میں ہے پہلے کبھی نہ تھی۔ (شیخ رفیق)

○ آدمی بے شرم ہونا چاہیئے!

پی ٹی وی کا مطلب؟

○ پاکستان ٹھمکا ویژن

ہم نے مہنگائی پر قابو پایا (بے نظیر)

○ تیری پھپھی نہ تیرا تایا مہنگائی نے مار مکایا (بقیہ ص ۳۶ پر)

تاریخ وتحقیق　　　　　　　　　　　　　　مولانا عبدالحق مدظلہ

حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد کے واقعات

روزنامہ "عوامی آواز" سندھی زبان کا اخبار ہمارے پیشِ نظر ہے۔ اس میں سیدنا حسینؓ کی شہادت کے متعلق صوفی غلام مصطفیٰ مورائی کا ایک مضمون شریک اشاعت ہے۔ مضمون کے عنوان کا ترجمہ یہ ہے۔

"حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد کیا واقعات رونما ہوئے"؟

اس کے ذیل میں مضمون نگار تحریر کرتے ہیں کہ "حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد سات دن تک اندھیرا چھایا رہا"

تاریخ اسلام میں ایسے دردناک واقعات بھی رونما ہوئے ہیں جن کے سننے سے لرزہ براندام کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ حضرت حسینؓ کا واقعہ بھی ان ہی میں سے ایک ہے۔ لیکن اس واقعہ کے پس پردہ اسلام کے خلاف زیر زمین ایک سازش ہے اور اسی مزموم سازش کو تقویت دینے کیلئے ہر سال اس واقعہ کے متعلق روایات مکذوبہ کا اضافہ ہورہا ہے۔ اور یہ روایت بھی ان موضوع روایات میں سے ایک ہے۔ اگر سات دن تک دنیا میں اندھیرا چھایا رہا تو اس ہیبت ناک حالت کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس کا بیان تواتر کے ساتھ منقول ہوتا اور تاریخ کی ہر کتاب میں اس حالت کا تذکرہ ہوتا۔ لیکن یہاں معاملہ برعکس ہے نہ تو کسی معتبر کتاب میں اس کا بیان ہے اور نہ ہی تواتر سے اس کی نقل موجود ہے۔ سوائے چند ذاکرین کے جو سینہ بسینہ اس جھوٹ کو منتقل کر رہے۔ ہیں مزید برآں یہ کہ تاریخ اسلام میں اس سے بھی زیادہ دردناک واقعات رونما ہوئے ہیں لیکن تکوینی امور میں کہیں بھی کوئی تغیر تبدل ظاہر نہیں ہوا۔ سفر طائف کے وقت نبی کریم ﷺ کے ساتھ جو جانگداز واقعات پیش آئے سیدنا حسینؓ کی شہادت باوجود اپنی ذاتی حیثیت کے ان جاں گسل واقعات کے مقابلہ میں بہت ہی کم دردناک ہے۔ پیغمبر کے مقدس خون کا ایک قطرہ پوری امت کی شہادت سے وزنی ہے۔ اور اس سفر میں تو آپکا جوتا مبارک خون کی کثرت سے پاؤں سے چمٹ گیا۔ پھر سفر طائف کے واقعات کی سنگینی اس بات سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ ملک الجبال آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے اجازت چاہی کہ ان لوگوں کو دو پہاڑوں کے درمیان پیس دوں۔ لیکن آپ ﷺ کی شان رحمت اللعلمینی نے ان لوگوں کو عذاب خداوندی سے بچالیا۔ لیکن دنیا میں اندھیرا چھایا اور نہ ہی تکوینی امور میں کوئی تغیر تبدل رونما ہوا۔ پھر یہ کہ حضرت حسینؓ کے واقعہ کربلا سے قریباً ربع صدی قبل مدینہ منورہ میں اس سے بھی زیادہ دردناک کربلائی واقعہ پیش آچکا تھا۔ سیدنا عثمانؓ اپنے گھر میں محصور ہیں، باغیوں نے ہر جانب سے محاصرہ قائم کر کے پانی بند کر رکھا ہے، آپؓ قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول ہیں اور اسی حالت میں باغی ان پر حملہ کرتے ہیں، تین وار سر مبارک پر اور نیزے کے تین وار سینہ پر کئے اور پیشانی پر تلوار ماری جو جبڑہ تک اتر گئی۔ ان کی وفادار زوجہ محترمہ سیدہ نائلہؓ اور شیبہ بن ربیعہ کی دختر نیک اختر امام مظلوم کے وجود مسعود پر گر جاتی ہیں۔ ظالموں نے ان خواتین کے کپڑے پھاڑ کر ان کو دور پھینک دیا۔ اور سیدہ نائلہؓ کی انگلیاں بھی کٹ گئیں اس ظلم صریح اور شہادت

مظلومہ پر بھی دنیا میں اندھیرا چھایا اور نہ ہی کوئی تغیر و تبدل رونما ہوا۔ حالانکہ سیدنا عثمانؓ سیدنا حسینؓ سے افضل ہیں اور مدینتہ الرسول سے تو کربلا کو کوئی نسبت نہیں دی جا سکتی۔

اور پھر مضمون نگار تحریر کرتے ہیں کہ "اسی دن سورج گرہن ہوا"

سورج کے گرہن کا تعلق بھی شہادت کے ساتھ نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے۔

ان الشمس والقمر لاینکسفان لموت احدولالحیاتہ ولکنّھما من آیات اللہ (مسلم ص۲۹٦، ج۱)

ترجمہ: تحقیق سورج اور چاند کا گرہن کسی کی موت کا باعث ہوتا ہے اور نہ ہی کسی کی حیات کی وجہ سے بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں۔

اس کے بعد مضمون نگار تحریر کرتے ہیں کہ "مکمل ایک ماہ آسمان پر سرخی رہی پھر آہستہ آہستہ یہ سرخی کم ہوتی گئی لیکن اس کے کچھ آثار باقی رہ گئے جو کہ اس وقت شفق کی صورت میں ہیں۔"

جس مذہب کی بنیاد ہی کذب و افتراء پر ہو تو ظاہر ہے کہ اس کی ترویج کیلئے بھی اس طرح کی صریح مکذوبہ روایات ہونگی ہر باشعور شخص جانتا ہے کہ شفق خواہ احمر ہو یا ابیض اسکا تعلق سورج کے غروب کے ساتھ ہے اور ہر شفق اسی دن سے موجود ہے جس دن سے سورج کے طلوع و غروب کا نظام دنیا میں قائم ہوا۔ اس لئے ان آثار کا وجود تو تاریخ انسانی سے بھی پہلے کا ہے۔ تو پھر حضرت حسینؓ کی شہادت کے ساتھ اس کا تعلق کیسے ہوسکتا ہے؟

مضمون نگار نے یہ انکشاف بھی کیا ہے کہ حضرت حسینؓ کی شہادت کے یوم بیت المقدس میں جتنے پتھر تھے ان کے نیچے خون تھا۔ یہ عجیب بات ہے کہ شہادت کا وقوع تو عراق میں اور پتھروں کا خون شام میں کہ جہاں ابھی تک آپؓ کی شہادت کا علم بھی نہیں ہوا۔ اور نہ ہی اس علاقہ کا کوئی شخص آپؓ کے شہید کرنے میں شریک تھا۔ اس مضمون میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ ام سلمہؓ کو دیکھا گیا کہ آپؓ رو رہی ہیں تو انہوں نے جواب میں کہا کہ میں نے ابھی نبی اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا ہے کہ آپ ﷺ کا سر مبارک اور داڑھی مبارک خاک آلود ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ! یہ آپ ﷺ کی کیا حالت ہے؟۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں ابھی شہادت حسینؓ کا واقعہ دیکھ کر آیا ہوں۔ یہ روایت بھی غلط ہے۔ کیونکہ ام المومنین سیدہ امّ سلمہ کی وفات ۵۹ھ میں ہے۔ اور حضرت حسین کی شہادت کا واقعہ ٦١ھ میں ہے۔ جو اس واقعہ سے تین سال قبل رحلت کر گیا ہو وہ اس طرح کا خواب کیسے دیکھ سکتا ہے۔

اکمال فی اسماء الرجال لصاحب المشکوٰۃ شیخ ولی الدین ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب

میں ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ کے متعلق ہے۔

وماتت فی سنۃ تسع و خمسین و دفنت بالبقیع

ترجمہ: "ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ کی وفات ۵۹ھ میں ہوئی۔ آپؓ بقیع میں مدفون ہیں"۔ پھر ایک اور انکشاف یہ کیا ہے کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میری امت کا نظام ہمیشہ عدل و انصاف سے قائم رہیگا۔ یہاں

تک کہ ایک شخص بنی امیہ سے آئے گا۔ جس کا نام یزید ہو گا وہ آکر اس نظام کو بگاڑ دے گا۔

محدثین کا اس روایت کے بارے میں اتفاق ہے۔ کہ یہ موضوع ہے۔ اور پھر اس کی سند میں بھی انقطاع ہے۔ کیونکہ اس کی سند میں مکحول سے روایت کرنے والا ابوعبیدہ ہے۔ اور حافظ ابن کثیر کی تصریح کے مطابق درمیان میں دو راوی ساقط ہیں۔ اور محدثین نے کہا ہے وہ تمام روایات جن میں بنوامیہ کی مذمت یا یزید کی مذمت ہے۔ وہ موضوع ہیں۔

علامہ نورالدین علی بن سلطان محمد الھروی المعروف بملاعلی قاری المتوفی ۱۰۱۴ھ اپنی مشہور کتاب الموضوعات میں فرماتے ہیں۔

ومن ذلک الاحادیث فی ذم معاویتہ وذم عمروبن العاص وذم بنی امیتہ و مدح المنصور والسفاح وکذاذم یزید والولید و مروان بن الحکم (ص ۱۶۹/۱۷۰)

ترجمہ: اور ان موضوع روایات میں سے وہ روایات موضوع ہیں۔ جن میں معاویہ، عمرو بن العاص اور بنوامیہ کی مذمت کی گئی ہے۔ اور وہ روایات بھی موضوع ہیں جن میں منصور اور سفاح کی مدح سرائی کی گئی ہے۔ اور وہ روایات بھی موضوع ہیں۔ جن میں یزید، ولید اور مروان بن الحکم کی مذمت ہے۔

اس کے برخلاف اُمہات الکتب صحاح ستہ میں ایک حدیث ہے جس میں آپ ﷺ نے بشارت کے انداز میں فرمایا ہے۔ کہ "اس وقت تک یہ اسلامی حکومت اچھی رہے گی جب تک اس پر بارہ آدمی حکومت کریں گے"۔

مورخ اسلام علامہ سید سلیمان ندوی نے اس حدیث کے مبشر خلفاء کی یہ فہرست پیش کی ہے۔

۱۔ حضرت ابوبکرؓ ۲۔ حضرت عمرؓ ۳۔ حضرت عثمانؓ ۴۔ حضرت علیؓ ۵۔ امیر معاویہؓ ۶۔ یزید ۷۔ عبدالملک ۸۔ ولید ۹۔ سلیمان ۱۰۔ عمر بن عبدالعزیز ۱۱۔ یزید ثانی ۱۲۔ ھشام۔ (سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۳۱۰، ج۔ ۳ مطبوعہ مکتبہ مدنیہ لاہور۔

یہ ہے ان روایات کی حقیقت جن کو مضمون نگار نے اپنے مذہب کی ترویج کا ذریعہ بنایا ہے جو روایتاً صحیح ہیں۔ اور نہ ہی درایتاً۔

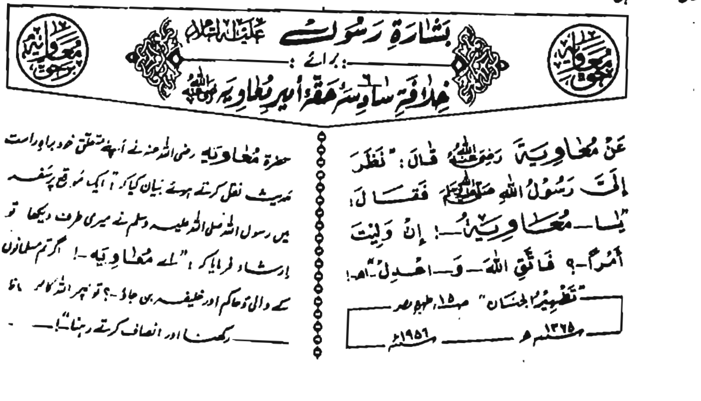

ممبران اسمبلی کی کارکردگی اور مراعات
پڑھتا جا، شرماتا جا

آج کل پاکستان میں دو اہم ایشوز ہر سطح پر موضوعِ بحث بنے ہوئے ہیں، ان میں ایک مہنگائی اور بے روزگاری اور دوسرا اسمبلیوں اور ممبرانِ اسمبلی کی کارکردگی۔ ان دونوں معاملات پر عوامی اور اقتصادی حلقوں میں بڑی تشویش اور پریشانی کا اظہار کیا جا رہا ہے کیونکہ پاکستان کی اسمبلیوں میں (خاص کر قومی اسمبلی اور پنجاب اسمبلی) میں ہمارے ممبران اسمبلی جو کچھ کر رہے ہیں، اس حوالے سے ان کی کارکردگی قطعی طور پر عوامی توقعات پر پوری نہیں اترتی۔ جس کی وجہ سے ان پر خرچ ہونے والے سالانہ اربوں روپے کے اخراجات (قومی وسائل) نہ صرف ضائع ہو رہے ہیں بلکہ عوام کا اعتماد اسمبلیوں پر سے اٹھ رہا ہے۔ عوامی اور اقتصادی حلقوں کی رائے میں پچھلے دس گیارہ سال میں اسمبلیوں کے ممبران کی تنخواہوں اور مراعات وغیرہ میں جس طرح خوفناک اضافہ ہوا ہے اس کے مقابلے میں عوام پر کئی گنا ٹیکسوں کا بوجھ پڑا ہے اور اس عرصہ میں افراطِ زر کی شرح مسلسل سالانہ ۲۰ فیصد سے ۲۵ فیصد تک بڑھی ہے اور روپے کی قیمت میں ۷۰ فیصد سے زائد کمی سے عملاً ۱۴ کروڑ عوام میں سے ۹۵ فیصد سے زائد افراد کی قوت خرید کم ہوئی ہے اور صنعتی ترقی عملاً کم ہونے کی وجہ سے ملک میں بے روزگاری کئی گنا بڑھی ہے۔ اس کے مقابلے میں بنگلہ دیش اور دیگر ممالک میں صنعتی ترقی میں ریکارڈ اضافہ ہوا ہے اور ان کی اقتصادی حالت بہت بہتر ہوئی ہے جبکہ ہمارے ملک کے حالات یکسر مختلف رہے ہیں۔ اس صورت حال میں ہماری اسمبلیوں کو جمہوری استحکام اور عدم استحکام کے حالات کے باوجود جو کارکردگی دکھانی چاہیئے تھی۔ وہ انہوں نے نہیں دکھائی۔ نتیجہ یہ کہ ہماری اسمبلیوں میں جمہوری روایات کی بجائے غیر جمہوری روایات زیادہ سر اٹھانے لگی ہیں، جس سے ان اسمبلیوں کے لئے مختص سالانہ اربوں روپے ضائع ہو رہے ہیں۔ مثال کے طور پر ۱۹۸۵ء سے ۱۹۹۵ء کے عرصہ تک صرف پنجاب اسمبلی کے ممبران کی تنخواہوں میں ۴۸۰ فیصد (۳۰۰۰ روپے سے بڑھ کر ۱۴۵۰۰ روپے ماہوار) اضافہ ہوا ہے جبکہ وزیر اعلیٰ کی تنخواہ ۱۰ ہزار روپے سے بڑھ کر ۳۱ ہزار روپے ماہوار تک (۲۶۴ فیصد) جا پہنچی ہے۔ سپیکر کی تنخواہ ۵ ہزار روپے سے بڑھ کر ۲۶۲۵۰ روپے (۲۸۸ فیصد) اضافہ تک چلی گئی ہے اور ڈپٹی سپیکر کی تنخواہ ۴۲۰۰ روپے سے ۲۴۲۰۰ روپے (۵۰۰ فیصد اضافہ) تک جا پہنچی ہے۔ اس کے مقابلہ میں گریڈ ایک کے ملازم کی تنخواہ جو ۱۹۸۵ء میں ۴۵۰ روپے تک تھی وہ ۱۹۹۵ء تک ۱۲۵۰ روپے (۱۸۵ فیصد) تک بڑھی ہے۔ گریڈ ۱۷ کے ملازم کی تنخواہ ۱۶ سو روپے سے ۳۸۸۰ روپے (۱۴۳ فیصد) تک بڑھی ہے اور گریڈ ۲۲ کے ملازم کی تنخواہ

۴۵۰۰ روپے سے بڑھ کر ۱۰۹۰۰ روپے تک بڑھی ہے۔ اس طرح پاکستان کے سیاسی اور انتظامی نظام میں اہم کردار ادا کرنے والے آفیسروں کی تنخواہ میں اوسطاً ۱۴۰ فیصد تک کا اضافہ ہوا ہے۔ اس کے مقابلے میں صرف ایک صوبے کی اسمبلی کے ممبران کی تنخواہ اور مراعات میں اضافہ کا یہ حال ہے تو قومی اسمبلی اور دوسری اسمبلیوں کا کیا حال ہوگا۔ یہاں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ ہر ایم پی اے کو اس کے علاوہ ہزاروں روپے کے اضافی الاؤنس بھی ملتے ہیں۔ جس میں ۲۵ ہزار روپے کے سالانہ واؤچر (اندرون ملک سفر کے لئے) یا ۲۰ ہزار روپے سالانہ ۱۰ ہزار روپے ماہانہ معمول کے الاؤنس، چار ہزار روپے کے ٹیلی فون کے اخراجات اور دیگر کئی مالی مراعات اس کے علاوہ ہیں۔ ایک رپورٹ کے مطابق مذکورہ عرصہ میں ایک صوبائی وزیر کی تنخواہ میں ۲۷۰ فیصد تک کا اضافہ ہوا ہے۔ اس کے علاوہ وزیر اعلیٰ کو ماہانہ ۳۱ ہزار روپے اور ۱۴۵۰۰ روپے بطور ممبر تنخواہ کے بھی ملتے ہیں۔ وزیر اعلیٰ کو ۱۹۸۵ء میں گھر کی تزئین و آرائش کے لئے ایک لاکھ روپے ملتے تھے جو ۱۹۹۵ء میں ۵ لاکھ روپے تک پہنچ گئے۔ اس کے علاوہ وزیر اعلیٰ اگر بذریعہ سڑک کہیں بھی جاتے ہیں تو انہیں ۳ روپے فی کلومیٹر کے حساب سے الاؤنس ملتا ہے جو کہ وزیروں کو بھی علیحدہ ملتا ہے۔ اس کے علاوہ ہوائی حادثہ میں مرنے کی صورت میں ۱۹۸۵ء تک وزیر اعلیٰ اور وزراء کے پسماندگان کو سوا لاکھ روپے ملتے تھے جو کہ ۱۹۹۵ء میں ۳ لاکھ روپے کی سطح پر پہنچ گئے ہیں۔ ۱۹۸۵ء میں وزیر اعلیٰ کا صوابدیدی فنڈ صرف ایک لاکھ روپے اور وزراء کا فنڈ صرف ۵۰ ہزار روپے ہوتا تھا جبکہ ۱۹۹۵ء میں وزیر اعلیٰ کے صوابدیدی فنڈ کی کوئی حد مقرر نہیں رہی، بلکہ وہ جتنا مرضی خرچ کر سکتا ہے اور وزراء کی حد ۵۰ ہزار روپے سے بڑھا کر ۳ لاکھ روپے کر دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ سپیکر اور ڈپٹی سپیکروں کو دی جانے والی مراعات میں ۲۵۰ فیصد سے ۳۰۰ فیصد تک کا اضافہ ہوا ہے۔ اس کے برعکس ضروریات زندگی کی ہر شے کے نرخوں میں تین فیصد سے چار سو فیصد تک اضافہ ہوا ہے جبکہ عوام پر عائد کئے جانے والے ٹیکسوں میں سالانہ ۲۰ ارب روپے سے ۳۰ ارب روپے کا اضافہ ہوا ہے اور صرف پچھلے تین برسوں میں عوام پر ۹۰ ارب سے ۹۵ ارب روپے کے اضافی ٹیکسوں کا بوجھ ڈالا گیا ہے اور اگر اس میں صوبائی ٹیکسوں کو بھی شامل کر لیا جائے تو واضح ہوگا کہ پاکستان کے عوام پر صرف دو تین سالوں میں ایک کھرب روپے سے زائد کے ٹیکسوں کا بوجھ ڈال کر انہیں مزید نئے ٹیکسوں کی ادائیگی کے لئے ذہنی طور پر تیار کیا جا رہا ہے۔ اس سلسلہ میں حکومت اور بالخصوص بیورو کریسی اعداد و شمار کے گورکھ دھندے سے غریب سے غریب تر ہونے والے عوام کو بے وقوف بنا رہی ہے۔

اس وقت قابل ذکر بات یہ ہے کہ ہمارے ممبران اسمبلی کی اکثریت دیہی علاقوں سے تعلق رکھتی ہے جس میں زیادہ تعداد جاگیرداروں کی ہے، اس طبقہ پر عالمی اداروں کے دباؤ کے باوجود عملی طور پر بھاری ٹیکس لگانے سے گریز کیا گیا ہے بلکہ موجودہ بجٹ جی ڈی پی کے ۳۰ فیصد طبقہ (زرعی طبقہ) پر صرف ۵۰ لاکھ روپے کا ٹیکس (پی آئی یو کی شرح ۲۵۰ روپے سے ۴۰۰ روپے کرنے کے بعد) عائد کیا گیا ہے اور جی ڈی پی کے ۷۰ فیصد طبقہ پر صرف رواں مالی سال میں ۱۴ ارب روپے کے اضافی ٹیکسوں کا بوجھ ڈالا گیا ہے جبکہ

۱۹۸۵ء سے لے کر ۹۹ - ۱۹۹۷ء تک مجموعی طور پر عوام پر مختلف ٹیکسوں کی شکل میں تقریباً ۱۹۵۶ ارب روپے کا بوجھ پڑا ہے۔ مثال کے طور پر حکومت کو ٹیکسوں سے آمدنی کا ہدف ۱۹۸۷-۸۸ میں ۱۱۷ ارب روپے، ۸۹-۱۹۸۸ میں ۱۳۹ ارب روپے۔ ۹۰-۱۹۸۹ میں ۱۵۸٫۸۰۵ ارب روپے۔ ۹۱-۱۹۹۰ میں ۱۶۳٫۸۵۷ ارب روپے۔ ۹۲-۱۹۹۱ میں ۲۱۶ ارب روپے۔ ۹۳-۱۹۹۲ میں ۲۳۸ ارب روپے۔ ۹۴-۱۹۹۳ میں ۲۷۰ ارب روپے۔ ۹۵-۱۹۹۴ میں ۱۳۹ ارب روپے۔ ۹۶-۱۹۹۵ میں ۳۷۴ ارب روپے رہا۔ جبکہ رواں مالی سال کے لئے محاصل سے آمدنی کا ہدف ۳۳۵ ارب روپے ہے جس میں ۲۸۰ ارب روپے ٹیکسوں اور باقی وسائل نان ٹیکس ریونیو سے حاصل ہوں گے۔ اس طرح پچھلے دس سالوں میں ہمارے ملک میں انسان کی اوسط عمر اور روپے کی قیمت مسلسل کم ہو رہی ہے اور اس کے مقابلے میں مہنگائی، ٹیکسوں کے بوجھ ممبران اسمبلی کی تنخواہوں، مراعات، کرپشن، غربت اور بے روزگاری میں ریکارڈ اضافہ ہوا ہے۔

(بشکریہ "نوائے وقت" ملتان، ۲۰ جولائی ۹۶ء)

ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاری مدظلہ

کے تین اہم خطبات

دین میں صحابہ کا مقام اور حیثیت — قیمت =/10

اسلام اور جمہوریت — قیمت =/10

جمہوریت ایک مشرکانہ نظام — قیمت =/10

بخاری اکیڈمی

دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان (فون : 511961)

حاصلِ مطالعہ

نسخۂ کیمیا

سیدہ مریم گیلانی

آپ نے عام طور پر مشاہدہ کیا ہوگا کہ اکثر اوقات فرد یا کمپنیاں جب کوئی نئی مشینری ایجاد کرتے ہیں تو اس کے مکمل تعارف کیلئے ایک کیٹلاگ یا تعارفی کتاب بھی شائع کرتے ہیں۔ جس میں اس مشینری کا مکمل تعارف اور ممکنہ خرابیوں کی صورت میں مرمت و اصلاح کا احوال بیان کیا جاتا ہے۔ نیز اس کی معیاری دیکھ بھال کے لئے مستند کاریگروں کی طرف رجوع کرنے کی دعوت دی جاتی ہے۔ ان کے پتے اور فون نمبرز تک دیئے جاتے ہیں۔

جب انسان اپنی بنائی ہوئی مشینری کی دیکھ بھال کے لئے اس قدر اہتمام کرتا ہے تو یہ کیسے ممکن تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی بہترین تخلیق یعنی انسان کو بغیر کسی کیٹلاگ (کتاب) کے چھوڑ دیتے۔ اس لئے انسان کی تخلیق کے ساتھ ساتھ ہی مستند کاریگر بھی بھیجنے شروع کر دیئے جو انسان کی ممکنہ خرابیوں کی اصلاح کتاب کے مطابق کرتے تھے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اس وقت کتاب تحریری طور پر نہیں اتاری جاتی تھی۔ بلکہ جبرائیل علیہ السلام کے ذریعہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو وقفہ وقفہ سے ضروری اصلاحات کے لئے آگاہ کر دیا جاتا تھا اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اس کے مطابق عمل پیرا ہو کر لوگوں کی اصلاح فرمایا کرتے تھے۔

اس بات سے دو باتیں کھل کر سامنے آگئی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سند یافتہ کاریگر صرف انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی ہو سکتے ہیں اور تعارفی کتابیں جو انسان کی اصلاح کے لئے وقتاً فوقتاً زمین پر اتاری گئیں وہ صرف آسمانی کتابیں ہی ہو سکتی ہیں۔

سب سے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں اور سب سے آخری کتاب قرآن حکیم ہے۔ اللہ تعالیٰ سے بہتر کون جان سکتا ہے کہ اس کی بنائی ہوئی مخلوق میں کب کب اور کیسے کیسے خرابیاں پیدا ہونگی۔ اور اس مخلوق کیلئے شیطانی خاک و دُھول کس قدر مہلک ہو گی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس بات کا پورا پورا اہتمام فرمایا کہ انسانی مشینری کی صفائی کیلئے نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ جیسی عظیم الشان نعمتیں عطا فرمائیں اور اس کے ساتھ ساتھ ایک ایسا نسخۂ کیمیا عطا فرمایا جس میں انسان کی ہر ممکنہ روحانی و جسمانی بیماری کا علاج موجود ہے۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کیا گیا کہ پرانی مشینیں جو کیٹلاگ کے مطابق دیکھ بھال نہ کی جاسکنے سے برباد ہو گئیں تھیں ان کے برباد ہونے کی مکمل وجوہات بتائیں اور ان وجوہات سے بچنے کی تلقین فرمائی گئی۔ ہمارا خالق کتنا مہربان اور رحم کرنے والا ہے جس نے ہمیں قرآن پاک جیسی نعمت عطا فرمائی اور بار بار دعوت دی کہ ہم اس میں غور و فکر کریں۔ ہم کتنی بد قسمت قوم ہیں کہ دنیا بھر کی کتابیں پڑھ جاتے ہیں لیکن قرآن پاک پر پڑی ہوئی دھول کو بھی صاف نہیں کرتے۔

یہ تو آپ کو معلوم ہو گا کہ آجکل ہر چیز معاشیات کے گرد چکر لگا رہی ہے۔ حتیٰ کہ ملکوں اور قوموں کی سیاست بھی معاشیات کی پابند ہو کر رہ گئی ہے۔ اس وقت دنیا کی معاشیات پر یہودیوں کا قبضہ ہے۔ امریکہ جیسی دنیا کی واحد سپر پاور بھی یہودیوں کے اشارۂ ابرو کی پابند ہو کر رہ گئی ہے۔ یہودی ازل سے مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ عیسائی ان کے اس لئے ہمنوا ہیں کہ وہ ان کے بغیر اور دولت کے بغیر اپنے وجود کا تصور نہیں کرتے۔ اس لئے

یہودی اور عیسائی دونوں مل کر مسلمانوں کو ہر اعتبار سے ختم کر دینے کے درپے ہیں۔ یہودی اور عیسائی ملکر دنیا بھر میں سماجی انقلاب لانے کی تگ ودو میں لگے ہوئے ہیں۔ وہ دنیا سے اسلام کو جڑ سے اکھاڑ پھونک دینا چاہتے ہیں۔ وائے بدقسمتی کہ ہم سب سمجھتے ہوئے بھی ان کا آلہ کار بنے ہوئے ہیں۔ ہم مکہ جانے پر لندن جانے کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس لئے کہ وہاں ہمیں ہوا و ہوس کی کشش نظر آتی ہے۔ کہا جاتا ہے ہمارا ملک نظریاتی ملک ہے۔ لیکن یہاں بنک سرکاری طور پر سودی کاروبار کرنے کے مجاز ہیں۔ سودی کاروبار خالصتاً یہودی طریقہ کاروبار ہے۔ رشوت، چور بازاری، سمگلنگ، سٹہ، جواء اور کئی ایک ناگفتی عیب ہمارے اندر موجود ہیں جو ہمیں انگریز بہادر نے عطا کئے ہیں۔ کوئی کتنا ہی بڑا کافر کیوں نہ ہو وہ یہ الزام ہمارے انبیاء اور ان کے صحابہؓ پر نہیں لگا سکتا کہ یہ عیوب ہمارے اندر ان کی طرف سے در آئے ہیں۔ بلکہ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ یہ عیوب ہماری طرف یہود و نصاریٰ کی طرف سے آئے ہیں۔ اس وجہ سے اس وقت مسلمان قوم پوری دنیا میں کسمپرسی کی حالت میں ہے۔ کیونکہ انہوں نے یہود و نصاریٰ کا دین تو نہیں اپنایا مگر اپنا دین ترک کر دیا۔ ہم لوگ صرف نام کے مسلمان ہیں ورنہ ہمارے سب اعمال یہود و نصاریٰ سے زیادہ بدتر ہو چکے ہیں۔ یہود و نصاریٰ ہمیں بنیاد پرست کہہ کر مارتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ دینی اعمال کی بنیاد پر ہم ادنیٰ درجہ کے بھی مسلمان نہیں رہے۔

اب صرف دو صورتیں باقی رہ گئی ہیں کہ یا تو ہم صحیح معنوں میں مسلمان بن جائیں اور قرآن پر عمل پیرا ہو جائیں کہ یہی راستہ دنیا و عقبیٰ میں نجات کا راستہ ہے۔ یا پھر کھلے کافر ہو جائیں، دورنگی چھوڑ دیں۔ منافقت ترک کر دیں۔ اگر ہم نے یہ منافقت ترک نہ کی تو اللہ تعالیٰ کو ہمارے جیسے مسلمانوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ بالضرور ہمیں یہود و نصاریٰ کے ہاتھوں قتل کروادے گا اور پھر ایک نئی قوم پیدا فرمائے گا جو اس کے احکام پر چل کر دنیا کی اس سپر پاور کا ڈٹ کر مقابلہ کرے گی۔ اول الذکر طریقہ ہمارے لئے یقیناً نجات کا باعث ہے تو آئیے، آج ہی اپنے دل سے عہد کریں کہ ہم احکام الٰہی کی مکمل اتباع کریں گے اور قرآن پاک کے اندر اپنی کمزوریوں کے علاج تلاش کریں گے۔ قرآن کو طاق میں رکھنے کی بجائے سینے سے لگائیں گے۔ اس حالت میں اگر ہمیں موت بھی آگئی تو ہم شہید ہیں یعنی دونوں زندگیوں میں کامیاب و کامران ہوں گے۔

فون رابطہ : 211523 (04524)

مدرسہ ختم نبوت مسجد احرار ربوہ

دارالکفر والارتداد ربوہ میں مسلمانوں کا عظیم تعلیمی و تبلیغی مرکز

ڈیڑھ سو سے زائد طلباء وطالبات قرآن کریم کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ بخاری پبلک سکول میں پرائمری تک طلباء تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ مدرسہ میں پچاس سے زائد طلباء رہائش پذیر ہیں۔ مدرسہ کی توسیع کے لئے مزید دو کنال زمین کی خرید اشد ضروری ہے۔ درسگاہوں اور مسجد کی تعمیر تکمیل کے مراحل میں ہے۔ اپنے عطیات، زکوٰۃ وصدقات اس کارِ خیر میں دے کر اجر حاصل کریں۔

ترسیلِ زر کے لئے: سید عطاء المہیمن بخاری، منتظم مدرسہ ختم نبوت، مسجد احرار ربوہ ضلع جھنگ

نقطۂ نظر — سیف اللہ بے قرار

مولانا فضل الرحمن ، حالات کے آئینہ میں

صوبہ سرحد میں عملاً قادیانی بیوروکریسی کا راج ہے

مرزائی مبلغ قلندر مومند کے لئے ستارہ امتیاز ، ذمہ دار کون ؟

ذیل کا مضمون ڈیرہ اسمٰعیل خان کے ایک قاری جناب سیف اللہ بیقرار صاحب نے اشاعت کی غرض سے ارسال کیا۔ انہوں نے موجودہ سیاست کے حوالے سے سیاسی علماء کے طرزِ عمل کا شکوہ بھی کیا اور ناکامی کے اسباب کا تجزیہ بھی مضمون کے بعض حصوں سے ادارہ کو اتفاق نہیں ہے لیکن یہ ایک دردمند مسلمان کے دل کی آواز اور شدید ردِ عمل ہے۔ جناب سیف اللہ بیقرار صاحب نے جمیعت علماء اسلام کے مستقبل کو محفوظ بنانے کے لئے جن حضرات کو اپنا کردار ادا کرنے کی دعوت دی ہے ان میں سرِ فہرست فرزندانِ امیرِ شریعت کو بھی شامل فرمایا ہے۔ یہ انکا حسنِ ظن ہے جس کے لئے ہم انکے شکر گزار ہیں لیکن واضح رہے کہ فرزندانِ امیرِ شریعت تو خود گزشتہ پینتیس برسوں سے جمیعت علماء اسلام اور اسکے اعوان و انصار کی نفرتوں ، کدورتوں ، بغض و حسد اور تعصبات کا شکار چلے آرہے ہیں اس کارِ خیر میں کیسے موثر ہوسکتے ہیں ؟ وہ تو اپنی عزت اور اپنی جماعت مجلسِ احرار اسلام کو ان حضرات اور انکے "اہداف" سے بچا کر بالکل الگ تھلگ ہوگئے۔ وہ نہ تو انکے "کارناموں" میں شریک اور نہ اس وی آئی پی قطار میں شمار ہیں۔ البتہ باقی بزرگ اس معاملہ میں شاید انکی امیدوں پر پورا اتر سکیں۔ (ادارہ)

چند سال بیشتر ڈیرہ اسماعیل خان کو جمیعت علماء اسلام کی راجدھانی اور ناقابل تسخیر قلعہ سمجھا جاتا تھا مفتی محمود کی زندگی میں بڑے بڑے نواب اور نامی گرامی تمندار و جاگیردار کسی بھی معاملہ میں جی یو آئی کے مقابل آنے سے گریز کرتے۔ ۱۹۷۰ء کے عام انتخابات میں پیپلز پارٹی کے چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو نے بڑے کروفر کے ساتھ مفتی محمود کے انتخابی حریف کی حیثیت سے ڈیرہ اسماعیل خان کی نشست پر قسمت آزمائی کی لیکن ہزیمت آمیز شکست سے دوچار ہوئے اور یہی حزن روگ جان بن کر انہیں عمر بھر ستاتا رہا۔ وزارت عظمیٰ کا منصب سنبھالنے کے بعد جب بھی ڈیرہ اسماعیل خان آتے تو مفتی محمود کو ہدف تنقید بنانے سے نہ چوکتے۔ ایک مرتبہ مقامی حقنواز پارک میں منعقدہ جلسۂ عام میں اعلان کر ڈالا کہ "آئندہ الیکشن میں بندر کو پی پی پی کا ٹکٹ دے کر مفتی محمود کے مقابلہ میں کامیاب کرایا جائے گا" کچھ عرصہ بعد اسی پارک میں مفتی محمود مرحوم و مغفور نے جلسہ سے خطاب کیا۔ تقریب کے دوران انکی رگِ ظرافت پھڑکی اور جواب آں غزل کے

طور پر کہا کہ "بڑا بندر تو آج تک اپنی شکست کے زخم چاٹ رہا ہے چھوٹا بندر میرا کیا مقابلہ کر پائے گا" ۱۹۷۷ء میں الیکشن منعقد ہوئے تو پیپلز پارٹی نے موجودہ سنیٹر گلزار احمد خان کو مفتی محمود کے مقابلہ میں امیدوار نامزد کیا۔ اس وقت ان کی شہرت کی وجہ زرداری سے یاری اور شراکت داری نہ تھی۔ بلکہ وہ گلزار خان کلیموں والے نام سے پہچانے جاتے تھے۔ رازہائے نہاں خانہ سے آگاہ لوگوں کے مطابق وہ ابتداء میں مولانا کی مقبولیت سے خائف ہونے کے باعث مولانا کا مقابلہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ لیکن اس وقت کے حکمرانوں کی بعض یقین دہانیوں کے نتیجہ میں الیکشن لڑنے پہ آمادہ ہوئے۔ انہی کے کہنے پر سردار عطاء اللہ خان میاں خیل سے کلاچی کی نشست کے لئے پیپلز پارٹی کا عنایت کردہ ٹکٹ واپس لیکر سردار عنایت اللہ خان گنڈہ پور کو دیا گیا۔ یاد رہے کہ سردار عنایت اللہ خان گنڈہ پور ان دنوں ائیرپورٹ قتل کیس میں ملوث ہونے کی وجہ سے جیل میں تھے۔ پولنگ کے دن مفتی صاحب کو ناکام بنانے کے لئے حکومتی وسائل کا بے دریغ استعمال ہوا۔ حتی کہ غیر سرکاری نتائج جاری کرنے میں بھی تاخیر کی گئی۔ لیکن عوامی تائید و حمایت کے آگے کوئی چال کارگر ثابت نہ ہو سکی اور بھٹو کے اعلان کے برعکس کامرانی کا سہرا ایک بار پھر مفتی کے سر سجا۔ ان کی وفات کے بعد جے یو آئی دولخت ہوئی۔ ایک گروپ کی قیادت مولانا سمیع الحق اور قاضی عبداللطیف آف کلاچی نے سنبھالی اور وقت کے حکمران جنرل محمد ضیاء الحق سے ناطہ جوڑا۔ جنرل کی نظر شفقت نے انہیں مجلس شوریٰ اور پھر ایوان بالا تک پہنچانے اور معاشی حالات سدھارنے کے مواقع مہیا کئے۔ قربت شاہی کے باعث وی آئی پی تو بن گئے لیکن عوام کے ذہنوں سے ایسے مٹے کہ اب انہیں اپنے وجود کے اظہار کے لئے صرف اخباری بیان جاری کرنے پر ہی اکتفا کرنا پڑ رہا ہے۔ ان کی سیاسی مقبولیت بہ ایں جا رسید کہ بلدیاتی کونسلر منتخب ہونا محال ہو گیا۔ شاید وہ بھول گئے تھے کہ اقتدار پسند علما عوام کے نزدیک قابل تکریم نہیں رہتے خود جمعیتہ علماء اسلام کے مقتدر رہنما اور شعلہ بیان مقرر مولانا غلام غوث ہزاروی مرحوم جب تک حکمرانوں سے دور رہے تو وہ دلوں کے تاجدار تھے۔ لوگ انہیں سر آنکھوں پہ بٹھاتے۔ سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کے ساتھ تعلق قائم کیا تو لوگوں نے آنکھیں پھیر لیں اور وہ میدان سیاست میں کٹی پتنگ بن کر رہ گئے۔ وقت کے بے رحم مؤرخ نے بھی انہیں فراموش کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ بھول کر بھی انکا نام لینے والا کوئی نہیں۔ جہاں تک جے یو آئی کے دوسرے دھڑے کا تعلق ہے تو مفتی محمود مرحوم کے مخلص رفیقوں اور عقیدت مندوں نے سیادت کا عمامہ ان کے فرزند مولانا فضل الرحمان کے سر باندھا۔ مولانا فضل الرحمان نے سیاست میں نو وارد ہونے کے باوجود جنرل محمد ضیاء الحق کے مارشل لاء میں بحالی جمہوریت کی خاطر پابند سلاسل رہنے کو ترجیح دی۔ اسی طرز عمل سے ان کے سیاسی قد کاٹھ میں اضافہ ہوا۔ اور ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کے لوگ انہیں اپنا سپوت کہہ کر بجا طور پر فخر کرنے لگے تھے۔ ضیاء الحق کی حادثاتی موت کے بعد پارٹی بنیادوں پر الیکشن کا اعلان ہوا تو موصوف جے یو آئی کے امیدوار کی حیثیت سے انتخابی اکھاڑے میں اترے۔ وہ رابطہ عوام مہم کے سلسلہ میں جہاں جاتے لوگ عقیدت کے پھول نچھاور کرتے اور دیدہ و دل فرشِ راہ بن جاتے۔ اگرچہ دو مرتبہ چئیرمین

ضلع کونسل رہنے والے فضل کریم کنڈی عرف لٹی خان انتخابی حریف بن کر سامنے آئے لیکن بری شکست کھائی۔ ایم این اے منتخب ہونے کے بعد مولانا فضل الرحمان کے دل میں بین الاقوامی لیڈر بننے کا شوق پیدا ہوا۔ انہوں نے اپنے آبائی ضلع کی بجائے اسلام آباد کو مسکن بنالیا۔ ادھر ایم کیو ایم کے تعاون سے مرکز سمیت سندھ و سرحد میں پیپلز پارٹی کی حکومتیں قائم ہوئیں۔ لیکن مولانا نے بے نظیر گورنمنٹ کی حمایت کی بجائے عورت کی حکمرانی کو اسلام کے منافی اور قوم کے لئے نحوست قرار دیکر اپوزیشن کے ساتھ بیٹھنا پسند کیا۔ اس عمل سے قومی سطح پر ان کے وقار میں مزید اضافہ ہوا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کے باشندوں سے رشتہ توڑ کر خود کو قبائلی سرداروں تک محدود کر لیا۔ اس سلوک کے نہایت منفی اثرات مرتب ہوئے۔ تکریم کی جگہ کدورتوں نے لے لی اور عوامی محبت نفرتوں میں بدل گئی۔

اسی دوران صدر غلام اسحق خان نے حکمرانوں کے اللوں تللوں کو دیکھ کر صوابدیدی اختیارات کے تحت اسمبلیوں کو چلتا کیا۔ غلام مصطفی جتوئی نگران وزیر اعظم بنے۔ نئے انتخابات کی تاریخ مقرر ہوئی تو مولانا کو ایک بار پھر ووٹروں کے پاس جانا پڑا۔ اس مرتبہ لوگوں کے تیور بدل چکے تھے۔ وہ جہاں جاتے تلخ و تیز جملے تواضع کو ملتے۔ ووٹروں نے مبینہ اہانت آمیز سلوک کا جی بھر کر بدلہ چکانے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔ مولانا نے تاویلوں کا سہارا لیکر صفائی پیش کرنا چاہی لیکن اعتماد بحال کرنے میں بری طرح ناکام رہے۔ اس مرتبہ بھی فضل کریم کنڈی پی پی پی کے ٹکٹ پر انتخابی حریف بن کر میدان میں اترے تھے۔ اور نہایت آسانی کے ساتھ اپنی سابقہ شکست کا بدلہ چکا کر مولانا کو نہایت کربناک ناکامی سے آشنا کر دیا۔ چاہئیے تو یہ تھا کہ موصوف اصلاح کی خاطر خود احتسابی کے عمل سے گزر کر اپنی کوتاہیوں و کمزوریوں کا ازالہ کرتے اور کھلے دل سے خان عبدالولی خان کی طرح اپنی شکست تسلیم کرتے لیکن انہوں نے حقیقت پسندی سے کام لئے بغیر اپنی ناکامی کو نواز شریف کے سر تھونپ دیا۔ اور نواز حکومت کے ہر اقدام کو غلط و خلاف شریعت ثابت کرنے کا ورد شروع کر دیا۔ موجودہ وزیر خارجہ سردار آصف احمد علی جو اس وقت وزیر مملکت تھے کو بطور خاص ہدف تنقید بنا کر نواز شریف کو مورد الزام ٹھہرایا جاتا۔ جب جائز و ناجائز اعتراضات والزامات سے مطلوبہ نتائج کا حصول ممکن نظر نہ آیا تو پھر خود کو مذہب کا شیدائی ثابت کرنے کے لئے پبلک جلسوں میں مغربی جمہوری نظام حکومت کو نفاذ اسلام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ قرار دے کر مسلح جہاد کے اعلانات دہرانے شروع کئے۔ واقف حال اس وقت بھی سمجھ رہے تھے کہ یہ سب پیٹ کا مروڑ ہے۔ اگر جذبہ جہاد ہوتا تو بندوق اٹھا کر کشمیر چلے جاتے۔ یا پھر افغانستان میں روسی فوجوں کا مقابلہ کرتے۔ چونکہ گفتار اور کردار میں تضاد نمایاں و عیاں تھا۔ اس لئے کسی نے باتوں بلکہ بڑھکوں پہ کان نہ دھرا۔ دریں اثنا وزیر اعظم اور صدر مملکت کے مابین شکر رنجیاں پیدا ہوئیں۔ پی پی پی نے موقع کو غنیمت جان کر نواز شریف حکومت کو ٹس سے مس کرنے کی گردان شروع کر دی۔ ادھر جمہوری نظام کو نفاذ اسلام کی راہ میں رکاوٹ قرار دینے والے بزبان خود مجاہد مولانا نے نہ صرف پی پی پی کی ڈھولک پر دھمال ڈالا بلکہ دو قدم آگے بڑھ کر اسمبلیوں کی تحلیل کے راگ الاپنے شروع

گئے۔ یہ ایک ایسا وقت تھا کہ موصوف نواز اسحٰق چپقلش سے بھر پور فائدہ اٹھاتے ہوئے بذریعہ آرڈیننس شریعت کے نفاذ کا فرمان جاری کرا سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے اسے ثانوی حیثیت دے کر جمہوری چیمپئین بننے کی غرض سے از سر نو انتخابات کو ضروری سمجھا۔ حیران کن امر یہ ہے کہ جب پہلی بار غلام اسحٰق خان نے صوابدیدی اختیارات کے تحت بینظیر حکومت کو گھر کی راہ دکھائی تو انہی مولانا نے صدر کے مبینہ اقدام کو ناجائز، بلا جواز، غیر جمہوری اور غیر اخلاقی کہنے کے علاوہ کیا کیا نام نہ دیئے۔ لیکن اب وہی مولانا اخلاقیات سے ماورئ جمہوری اصولوں اور شرعی تقاضوں کو خاطر میں لائے بغیر صدر مملکت سے اسی اقدام و فرمان کا مطالبہ کرنے لگے جس کے لئے صدر غلام اسحٰق خان کو مغضوب سمجھا جاتا تھا۔ "خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا لکھیئے"۔ چونکہ فضل کریم خان کنڈی بحیثیت ایم این اے خاطر خواہ کارکردگی کا مظاہرہ کرنے سے قاصر ہے۔ اس لئے ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کے لوگ ایک بار پھر مولانا کی طرف مائل ہوگئے۔ اور برسرعام کہا جانے لگا کہ چاہے مولانا ایم این اے منتخب ہونے کے بعد ووٹروں کے ساتھ سیدھے منہ بات نہ کریں کم از کم اسمبلی میں بے زبان تو نہ بنے رہتے۔ ۱۹۹۳ء کے الیکشن کے وقت فضا مولانا کے لئے خاصی سازگار تھی لیکن انہوں نے پی پی پی کے امیدوار فضل کریم کنڈی کو انتخابی اکھاڑے سے باہر رکھنے کی خاطر صوبہ سرحد کی حد تک پیپلز پارٹی کے ساتھ انتخابی گٹھ جوڑ کیا۔ اس خود غرضانہ عمل سے موصوف کے متقی ہونے کا پول کھل گیا۔ انہوں نے خدا پر بھروسہ کرنے کی بجائے پیپلز پارٹی کا سہارا لیا۔ جس سے دین دوست ووٹروں کو انتہائی صدمہ پہنچا۔ خود جے یو آئی کے نظریاتی حامی نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن والی صورتحال سے دوچار ہوئے۔ کیونکہ کل تک وہ پیپلز پارٹی کو سیکولر اور سامراج ایجنٹ جماعت کہنے کے علاوہ عورت کی حکمرانی کو غیر شرعی اور نحوست ثابت کرنے کے لئے کتاب و سنت اور احادیث کا سہارا لیا کرتے تھے اب وہ کس زبان اور منہ سے پی پی پی کو اسلام دوست اور عورت کی حکمرانی کو عین اسلامی قرار دینے کے علاوہ "بی بی" کی پاک دامنی کے قصے بیان کریں گے۔ اس اتحاد کے نتیجہ میں مقامی سطح پر جے یو آئی (ف) کے بہی خواہوں کی واضح اکثریت کبیدہ خاطر ہو کر مخالف صفوں میں شامل ہو گئیں۔ مولانا فضل الرحمان کو بروقت اپنی غلطی بلکہ خود غرضی کا احساس ہوا۔ انہوں نے جیتی بازی کو ہارتے دیکھ کر مختلف تاویلوں کے ذریعہ دین دوست طبقہ اور نظریاتی حامیوں کو مطمئن کرنے کے ہزار جتن کئے۔ لیکن گری تھوک کو چاٹنا ممکن نہیں رہا انتخابی مہم کے سلسلہ میں جہاں جاتے توہین آمیز کلمات استقبال کو ملتے۔ بالآخر انہوں نے علاقائی گروپوں کے ساتھ معاہدہ کرنے میں عافیت سمجھی۔ کلاچی سب ڈویژن میں سابق وزیر اعلیٰ سرحد سردار عنایت اللہ خان گنڈہ پور جنہوں نے وزارت اعلیٰ کا منصب سنبھالنے کے فوراً بعد اپنے پیش رو فضل الرحمٰن کے والد گرامی مولانا مفتی محمود کے خلاف قرطاس ابیض شائع کیا تھا سے امداد طلب کی۔ چونکہ گنڈہ پور سردار کی مسلم لیگ (ن) کے امیدوار سردار عمر فاروق خان میاں خیل کی فیملی کے ساتھ دیرینہ مخاصمت چلی آرہی ہے۔ اس لئے وہ بلا تامل مولانا فضل الرحمان کی حمایت پر کمر بستہ ہوگئے۔ اسی طرح حلقہ پی ایف ۵۳ یعنی پہاڑ پور، بلوٹ سرکل میں اہل تشیع کے ووٹ

حاصل کرنے کی غرض سے مخدوم آف بلوٹ شریف کے ساتھ یہ ساز باز کی کہ وہ آزاد امیدوار مخدوم زادہ مرید کاظم شاہ کے مقابلہ میں صوبائی نشست پر اپنے بھائی مولانا لطف الرحمان کو کھڑا کریں گے۔ تاکہ کٹر مولویوں، جے یو آئی اور سپاہ صحابہ کے نظریاتی حامیوں کے ووٹ جمیعتہ العلماء پاکستان کے امیدوار عصمت اللہ مستی خیل یا مسلم لیگی امیدوار جاوید اکبر خان کی بجائے لطف الرحمن کو ملیں۔ جبکہ مخدوم خاندان اس کے بدلے اہل تشیع سمیت اپنے زیر اثر لوگوں کے ووٹ مولانا فضل الرحمان کے حق میں پول کرانے کے پابند ہوں گے۔ مخدوموں نے اپنے عہد کی پاسداری کرتے ہوئے پورے ضلع ڈیرہ اسماعیل خان میں بالعموم اور پہاڑ پور سرکل میں بالخصوص اہل تشیع کے تقریباً نوے فیصد ووٹ مولانا کے حق میں پول کرا کر وہ کمی پوری کر دکھائی جو جے یو آئی کے حامیوں کے رخ موڑنے سے پیدا ہوئی تھی۔ جے یو آئی اور این ایف جے کے اس انتخابی اتحاد سے فریقین نے جہاں مطلوبہ نتائج حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی وہاں ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کی حد تک پائی جانے والی سنی، شیعہ کشیدگی بھی تقریباً ختم ہو گئی۔ کیونکہ عام لوگ بہ آسانی سمجھ گئے کہ ایک دوسرے کو گردن زدنی قرار دینے والے اپنے مفادات کے حصول کی خاطر کس طرح ایک ہو گئے۔ گزشتہ سال عاشورہ محرم کے دوران جے یو آئی کے بعض عہدیداران نے ایک بار پھر شکایات کا پلندہ کھولنا چاہا لیکن ضلعی انتظامیہ کے اوپر کے اشارہ پر سیلاب زدگان کے لئے آنیوالے بیت المال فنڈ سے اوپن چیکوں کی فراخدلانہ تقسیم شروع کی۔ پانچ چیک مولویوں کے ملتے تو تین ضلعی انتظامیہ کی جیبوں میں چلے جاتے۔ اگر اس ضمن میں کوئی شبہ ہو تو نیشنل بینک کی مقامی مین برانچ کے ریکارڈ سے بہ آسانی تشفی کی جا سکتی ہے۔ یہ درست ہے کہ اس اقدام سے بعض حقیقی سیلاب زدگان حکومتی امداد کے حصول سے محروم رہ گئے۔ لیکن خوش کن بات یہ ہے کہ محرم الحرام کے دوران ریکارڈ امن قائم رہا۔ اب اسے ملی یکجہتی کونسل کا کمال سمجھیئے یا اوپن چیکوں کا اعجاز۔ بہر کیف مولانا فضل الرحمان کی کامیابی مخدوم فیملی کی رہین منت ہے۔ اگر پہاڑ پور سرکل میں اہل تشیع کے ووٹ مولانا کی بجائے کسی دوسرے امیدوار کو ملتے۔ تو مولانا کی کامیابی کسی طور بھی ممکن نہ تھی۔ یہاں یہ بات بطور خاص قابل ذکر ہے کہ موصوف نے اپنے قریب ترین انتخابی حریف سردار عمر فاروق کے مقابلہ میں چند سو ووٹوں کی عددی اکثریت سے کامیابی حاصل کی۔ ممبر قومی اسمبلی منتخب ہونے کے بعد مولانا فضل الرحمان نے پی پی پی کے دامن میں پناہ لے کر یہ مشہور کیا کہ ان کا صدر مملکت فاروق احمد خان لغاری کے ساتھ اسلامی امور کے بارے میں معاہدہ ہوا ہے۔ اس لئے خاتون وزیر اعظم کا ساتھ دیا جا رہا ہے۔ ادھر محترمہ بے نظیر بھٹو نے مولانا کے لاشعور میں اٹھکیلیاں لینے والی آرزو کو بھانپ کر انہیں قومی اسمبلی میں خارجہ امور کی سٹینڈنگ کمیٹی کا چیئرمین مقرر کیا تاکہ وہ بین الاقوامی شہرت حاصل کرنے کی خواہش پوری کر سکیں۔ پجیرو، انٹر کولر، سٹاف کار اور مسلح باڈی گارڈ فراہم کرنے کے علاوہ یورپی ممالک کے دوروں پر جانے کی کھلی چھٹی دے دی اور ان کے چھوٹے بھائی مولانا لطف الرحمان کو سوشل ایکشن بورڈ ڈی آئی خان کا چیئرمین مقرر کیا۔ ان مراعات سے بین الاقوامی سطح پر مولانا کے سیاسی قد کاٹھ میں کوئی اضافہ ہوا ہو یا نہ۔ لیکن ملکی سطح پر لغاری وزرداری سے یاری اور

بی بی کی روا و ناروا پاسداری نے اسے سیاسی لحاظ سے بونا بنا دیا۔ کل تک سردار آصف احمد علی مغضوب تھے اب معصوم عن الخطا بن گئے (معاذاللہ)۔ اسی طرح محترمہ بے نظیر کی کوتاہیاں۔ کمزوریاں اور سیکولر مزاج خوبیوں میں نیکیوں کا مرقع نظر آنے لگا۔ اگرچہ پیپلز پارٹی کی حمایت کے بعد مولانا فضل الرحمان نے ڈیرہ اسماعیل خان کے لئے سوئی گیس کی فراہمی۔ گومل ڈیم منصوبے کی تعمیر۔ ریلوے لائن بچھانے۔ صنعتی ترقی کے لئے خصوصی پیکج حاصل کرنے کے بلند و بانگ دعوے کئے تھے۔ لیکن دو سال کا عرصہ گزرنے کے باوجود متذکرہ منصوبوں میں سے کسی کی افتتاحی تقریب منعقد نہ ہو سکی۔ بلکہ موصوف اپنی کارکردگی کو بجلی کے ٹرانسفارمروں کی تنصیب اور پبلک کال آفس کھولنے تک محدود کئے ہوئے ہیں۔ بعض ناقدین کے مطابق مولانا خود اپنے آبائی ضلع کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ یہاں ترقی ہو اور لوگ آسودہ حال بنیں کیونکہ اس طرح ان کی سیادت کو خطرہ لاحق ہو جائے گا۔ ویسے اس قسم کے الزامات اس لحاظ سے وزنی معلوم ہوتے ہیں کہ انہیں پورے ڈیرہ اسماعیل خان ڈویژن یعنی اپنے حلقۂ نیابت میں کوئی اس قابل نظر نہ آیا جسے سفارت کا عہدہ دلاتے یا پروجیکٹ ڈائریکٹر سوشل ایکشن بورڈ.....اور تو چھوڑیئے ان کا پرائیویٹ سیکرٹری تک برآمد کردہ ہے۔ جہاں تک ترقیاتی منصوبوں کے لئے انکی مساعی کا تعلق ہے تو اسکا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ مثلاً نواز شریف دور میں مقامی ائیرپورٹ کی توسیع۔ ڈیرہ ژوب نیشنل ہائی وے روڈ کی تعمیر اور سپیشل صنعتی زون کی منظوری ہوئی تھی لیکن موجودہ حکومت نے ان منصوبوں کے لئے مختص کردہ فنڈ دوسری جگہ منتقل کر دیئے۔ یا پھر انہیں بستۂ خاموشی میں ڈال دیا۔ گویا ان ہی کی عدم دلچسپی کے باعث ترقیاتی منصوبوں پہ قدغن لگی۔ علاوہ ازیں بعض دیگر ایسے واقعات بھی منظر عام پہ آئے جس سے مولانا کے وقار کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ یعنی ان کی حقیقی والدہ، اور سوتیلی ماں کی وفات کے موقع پر ضلعی انتظامیہ نے لاکھوں روپے کے اخراجات کے بل ادا کئے جو سربستہ راز نہ رہ سکے۔ مولانا سمیع الحق کے میڈم طاہرہ سیکنڈل کی طرح لطف الرحمان سکینڈل مشہور ہوا۔ رہ گئی نفاذ اسلام کے ضمن میں مولانا کی جدوجہد تو اس کا اندازہ گزشتہ دو سالوں کی کارکردگی سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ حیرت انگیز امر یہ ہے کہ مولانا سمیع الحق کے شریعت بل کو شرارت بل کہنے والے نے اسمبلی میں اپنا اصلی حقیقی شریعت بل پیش کرنے کے بلند و بانگ دعوے کئے تھے لیکن انہیں ان ممالک کے سیر سپاٹے سے فرصت نہیں جہاں شراب و شباب اور سیکس پر پابندی نہیں۔ نہ معلوم وہ گوری چمڑیوں والوں کے ہاں کس مشن پر جاتے ہیں۔ اگر مقصد تبلیغی و اصلاحی ہے تو پھر اسکی ابتداء اپنے گھر یعنی وطن عزیز سے کرنی چاہیئے تھی۔ دیارِ غیر میں قومی سرمایہ لٹانے کا فائدہ کیا؟

یہاں تو نفاذِ اسلام کے لئے تحریکیں چل رہی ہیں۔ یورپ و امریکہ میں کون شریعت محمدی کے نفاذ کا طلبگار ہے؟ گزشتہ سال ڈیڑھ سال کے دوران صوبہ سرحد کے مختلف اضلاع سمیت بعض ملحقہ قبائلی علاقوں میں نفاذِ شریعت محمدی کی تحریکیں پر زور انداز میں رونما ہوئیں عام خیال تھا کہ مولانا فضل الرحمان اور جماعت اسلامی کے قائد قاضی حسین احمد و مولانا سمیع الحق جو صوبہ سرحد کے باشندے ہیں بذات خود ان

تحریکیوں کی پیشوائی فرمائیں گے۔ کیونکہ یہ اصحاب پاکستان کے علاوہ ہمسایہ ممالک افغانستان و بھارت میں شرعی قوانین کے نفاذ کے زبانی طلبگار رہے ہیں۔ لیکن انہوں نے دیر، باجوڑ، مالاکنڈ اور کوہستان وغیرہ میں شریعت محمدی کے طلبگاروں کی عملاً کوئی امداد نہ کی۔ اسی طرح باجوڑ خیبر ایجنسی میں شریعت کے نام لیواؤں پر جو بیتی وہ کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ اسلامیانِ سرحد کو یقین تھا کہ نفاذ شریعت کے لئے مسلح جدوجہد کا دعویدار ضرور میدانِ عمل میں اتر کر اسلاف کے نام کو روشن کرے گا، لیکن صد افسوس کہ شرکت اقتدار کے سرور نے اسے ایسا مدہوش کر دیا کہ حکومت کی کوئی برائی، برائی نظر نہیں آئی۔ اب وہ حکمرانوں کے کسی فعل بد کو ناروا کہنے کے روادار نہیں۔ گزشتہ سال حکومت نے صوبہ سرحد کے سکہ بند قادیانی مبلغ قلندر مومند کو ان کی نعتیہ شاعری پر پاکستان کا سب سے بڑا سول اعزاز یعنی ستارۂ امتیاز بخشا۔ باخبر حلقوں کے مطابق یہ سب وزیر اعلیٰ صوبہ سرحد کے ہم زلف کا اعجاز و کمال ہے جس نے ایک قادیانی مبلغ کو نعت گو قرار دیکر سب سے بڑا سول قومی اعزاز دلوایا۔ کون پوچھے کہاں مرزائی اور کہاں اسکی نعت خوانی "چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک۔" یہاں یہ بات بطور خاص قابل ذکر ہے کہ اس سے قبل بھی ایک مرزائی چیف سیکرٹری صاحبزادہ امتیاز احمد نے اسی قلندر مومند کو حسنِ کارکردگی کا صدارتی تمغہ دلوایا۔ یہ بات آج بھی گومل یونیورسٹی کے ریکارڈ میں موجود ہوگی اور پروفیسر پریشان خٹک جو اس وقت بقید حیات ہیں اس بات کے گواہ ہیں کہ جب وہ گومل یونیورسٹی ڈیرہ اسماعیل خان کے وائس چانسلر اور قلندر مومند ان کے ماتحت لاء کالج کے پرنسپل تھے تو ان دنوں سنڈیکیٹ میٹنگ میں مسٹر مومند کی سرگرمیوں کے بارے میں سی آئی ڈی کی رپورٹ زیر بحث آئی۔ جسے غیر مؤثر بنانے کے لئے صدر مملکت کی جانب سے عطا کردہ حسن کارکردگی کا سرٹیفکیٹ پیش کیا گیا۔ اور یہ ثابت کیا گیا کہ جس شخص کو سربراہ مملکت نے ایوارڈ سے نوازا ہو وہ کیونکر وطن دشمن سرگرمیوں میں ملوث ہوسکتا ہے۔ گویا صدارتی ایوارڈ تحفظ کا سبب بنا۔ جبکہ آئندہ تمغۂ امتیاز سول اور وہ بھی نعت گوئی کے اعتراف میں مسٹر قلندر مذکور کو کھرا مومن مسلمان ثابت کرنے کے لئے کافی وشافی نہ ہوگا؟ اب پوچھا جائے علماء کرام و پیرانِ عظام سے کہ کن مصلحتوں نے ان کے لبوں پہ تالے لگائے؟ کیا وہ مسئلہ ختم نبوت پر بھی سودا بازی پہ تیار ہوگئے؟ یہ ایک الگ المناک و دلگداز حقیقت ہے کہ صوبہ سرحد میں تحریک نفاذ شریعت محمدی کے علمبرداروں کی جو درگت بنی اس پر مولانا فضل الرحمان کی خاموشی اسلئے باعث تعجب نہیں کہ وہ اس صف میں شامل ہیں جن کے نزدیک نفاذ اسلام کا مطالبہ بغاوت سے کم نہیں۔ اور صوبہ سرحد کے چیف سیکرٹری کو ان کی خصوصی آشیر باد حاصل ہے۔ لیکن اس ضمن میں جماعت اسلامی کی عملاً لاتعلقی اب تک سوالیہ نشان بنی رہی؟ یہ عقدہ حال ہی میں کھلا کہ جماعت والے دیر، باجوڑ، سوات وغیرہ کو اپنا پاکٹ ایریا سمجھتے ہیں۔ صوفی محمد کی تحریک نفاذ شریعت محمدی سے ان کے کاروبار سیاست کو یہ خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں تحریک والوں کی ان علاقوں میں حقیقی عملداری قائم نہ ہو جائے۔ بنا بریں قاضی حسین احمد نے عملاً ساتھ دینے کی بجائے زبانی

جمع خرچ سے کام چلانا مناسب سمجھا۔ جب صوبائی انتظامیہ نے میجر مست گل کے دوروں اور جلوسوں کی راہ میں معمولی روڑے اٹکائے تو جماعت اسلامی کے خورد و کلاں پکار اٹھے کہ یہ سب بااختیار قادیانی کا کیا دھرا ہے۔ اور اس ضمن میں چیف سیکرٹری کو بلیک میل کرنے کی غرض سے اخباری بیانات بھی جاری کئے لیکن جب تحریک نفاذ شریعت محمدی والوں کی درگت بنائی جارہی تھی تو جماعت والوں کو یہ خیال نہ آیا کہ یہ سب کچھ کس کے اشارے پہ ہورہا ہے۔ کیا مولانا فضل الرحمان، قاضی حسین احمد اور مولانا سمیع الحق کو یہ معلوم نہیں کہ اعجاز رحیم قلندر مومند۔ شکیب احمد جنرل منیجر پی ٹی سی۔ شریف احمد کمشنر کوہاٹ اور ریاض احمد کون ہیں؟ کیا یہ درست نہیں کہ فی الوقت ہمارے مذہبی پیشواؤں کو مرزائی افسروں اور ان کے ہم خیال چیلوں سے کوئی ذاتی پرخاش نہیں اس لئے خاموشی کو شعار بنائے ہوئے ہیں اور اگر کل ذاتی مفادات پہ ضرب پڑھی تو فتووں کی گولہ باری شروع ہوجائیگی اور یہی قابل قبول قابل نفرین بن جائیں گے۔ حال ہی میں حکومت نے دینی درسگاہوں کی آڈٹ کا شوشہ چھوڑا تو سب سے زیادہ مولانا فضل الرحمان سیخ پا ہوئے۔ آخر اس میں قباحت کیا ہے کہ پتہ چلے کہ کس کس دینی مدرسہ کی آمدنی کیا ہے کہاں سے آتی ہے اور کیسے خرچ ہوتی ہے یا کی جاتی ہے؟ بعض حلقوں کے مطابق موصوف نے سیاست میں قدم رکھتے ہی اسلامی یونیورسٹی قائم کرنے کا ڈھنڈورا پیٹا۔ اندرون ملک چندہ کی وصولی کے علاوہ عرب امارات اور لیبیا تک دورے کئے لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وصولی کس قدر ہوئی۔ ویسے واقف حال لوگوں کے مطابق کروڑوں روپے جمع ہوئے۔ خود جے یو آئی کے دیرینہ رکن گل شیر نے یونیورسٹی قائم نہ ہونے کے بعد حساب و کتاب کو منظر عام پہ لانے کا مطالبہ کیا تو وہ بیچارہ معتوب ٹھہرا۔ شنید ہے کہ آج بھی مولانا کی زیر سرپرستی قائم "جامعۃ المعارف شرعیہ" نامی دینی درسگاہ کی ماہوار آمدنی لاکھوں روپے ہے۔ جبکہ اخراجات کا تخمینہ چند ہزار روپے سے زیادہ نہیں۔ اسی طرح ہمارے جماعت اسلامی کے بھائی قربانی کی کھالیں جمع کرنے کی غرض سے سٹال سجالیتے ہیں اور یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ جماعت کے اخراجات اس قسم کی آمدنی سے پورے کئے جاتے ہیں۔ لیکن امیر جماعت قاضی حسین احمد کے دلبند کی شادی کے ولیمہ پر لاکھوں روپے کے اخراجات کو دیکھ کر لوگ ششدر رہ گئے کہ اسراف سے منع کرنے والے اس قدر فراخدلی سے دولت کیوں اڑاتے ہیں۔ ان کے پاس یہ دولت کہاں سے آئی۔ کیا یہ سب کمائی اسلام کے متبرک نام پہ نہیں ہورہی؟ ہمارے ان مذہبی پیشواؤں کے قول و عمل میں نمایاں تضاد کی وجہ سے سادہ لوح اسلامیان پاکستان ان سے برگشتہ خاطر ہورہے ہیں۔ یہ واضح ہوچکا ہے کہ کفر کے فتوے کیوں صادر کئے جاتے ہیں اور ایک کلمہ گو کے ذریعہ دوسرے بھائی کی گردن کیوں کٹوائی جاتی ہے۔ ایک طرف ختم نبوت ﷺ کانفرنسیں منعقد کی جاتی ہیں دوسری طرف قادیانیوں سے یارانے۔ ایک طرف دین اسلام کی اشاعت و ترویج دینی مدارس کا قیام دوسری جانب علماء کرام کے بچوں کا انگلش میڈیم سکولوں میں تعلیم حاصل کرنے کا عمل۔ اسی قسم کی دو عملی اور گفتار و کردار میں تضاد نے علماء کا امیج تباہ کردیا ہے۔ اب

(بقیہ ص ۴۳ پر)

قارئین کے خطوط

حلقۂ احباب

زبان خلق

جناب مدیر نقیب ختم نبوت ملتان سلام مسنون

گزارش ہے کہ روزنامہ نوائے وقت ملتان ۱۹ جولائی اور روزنامہ سنگ میل ملتان ۲۰ جولائی کی اشاعت میں ایک نمایاں خبر چھپی ہے کہ ڈیرہ غازیخاں کے جیالے بھی بجلی چوری کی لوٹ میں بھر پور حصہ دار بن گئے ہیں۔ ڈیرہ غازیخاں کے نوح میں تاروں پر کنڈیاں لگا کر بجلی چوری کرنے والے ۲۰ جیالوں کے خلاف مقدمات درج کر دیئے گئے ہیں۔ بعینہ پورے ملک میں بجلی کی چوری معمول بن چکی ہے اور متعلقہ افراد بے تکلف لاکھوں روپے کی بجلی روزانہ ہڑپ کر جاتے ہیں درحقیقت یہ حکمرانوں کی ذمہ داری ہے کہ مختلف مقامات پر مختلف ذرائع سے بجلی چوری کرنیوالوں کا تعاقب کرے اور ملکی خزانہ کو لوٹنے والوں کو عبرت ناک سزا دے۔ چونکہ یہ کام میٹر ریڈنگ کرنیوالوں اور دیگر متعلقہ افراد کی ملی بھگت سے عرصہ دراز سے کامیاب ہے لہذا کوئی مؤثر کارروائی منظر عام پر نہیں آئی۔ بجلی چوری کے شکوے ہر شہر اور قصبہ میں زباں زد عوام ہیں۔ شکایت کنندگان کا تحفظ نہ ہونے کی وجہ سے اور اوپر والوں کی سرپرستی کی بنا پر عوام بھی دلچسپی نہیں لیتے۔ نادہندگان کا موقف ہے کہ خزانہ سرکار میں جمع ہونیوالی اکثر رقوم غیر ممالک میں منتقل ہو جاتی ہیں اور ملکی عوام کو کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا لہذا بلوں کی عدم ادائیگی کے ساتھ ہر قسم کے جبری ٹیکس چوری کرنے کا رواج عام ہو رہا ہے۔ دوسری وجہ جبری "اضافی سرچارج" اور بلوں کے ذریعہ زائد اور ناجائز رقوم کی وصولی نے صارفین کو بھی بددیانتی پر مجبور کر دیا ہے۔ مثلاً ایک ملازم پیشہ آدمی کی کل تنخواہ تین ہزار روپے ہے اور اس کے گھر میں صرف دو پنکھے اور تین بلب استعمال ہوتے ہیں جبکہ بجلی کا بل پندرہ سو روپے آجاتا ہے اور بعض کو دو ہزار روپے اور ایسا بھی ہوا کہ پانچ ہزار روپے کا بل آگیا۔ دفتروں کے چکر لگانے کے باوجود بل درست نہیں ہوتا اور "مٹھی گرم" کرنے پر سارا بل معاف ہونے کا مژدہ بھی سنایا جاتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اس مظلوم صارف کو جبراً بددیانتی اور بجلی چوری کا راستہ دکھایا جا رہا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک صنعت کار کی چار پاور لومز کا بل کم و بیش چار ہزار روپے ماہانہ آتا ہے اور دوسرا منظور نظر جیالا سولا لومز کا بجلی کا بل اسی قدر ادا کرتا ہے۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے سارا بوجھ غریب عوام پر ڈال دیا جاتا ہے۔ آخر اس تفاوت کی وجہ معلوم کرنا کس کے ذمہ ہے؟ عموماً چھوٹی بڑی فیکٹریوں، برف خانوں اور فلور ملز وغیرہ میں ریکارڈ چوریاں کسی سے مخفی نہیں۔ منتظمیوں کے ذریعہ خورد برد کی داستانیں زبان زد عوام ہیں۔ وطن عزیز کی اس حالت پر رونا آتا ہے اور دل کڑھتا ہے۔ یہ لچھن تو غیر ملکی آقاؤں کو مداخلت کی دعوت دینے کے مترادف ہیں۔ اور دور غلامی کی واپسی کا جواز بنیں گے۔ اور اللہ پاکستان کو محفوظ رکھے۔ آمین۔ (والسلام خاموش مبلغ ملتان)

ترحیم　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　ادارہ

مسافرینِ آخرت

حاجی محمد صدیق مرحوم:

احرار کارکن محترم محمد یوسف صاحب کے چچا حاجی محمد صدیق صاحب ۲۶ جولائی جمعۃ المبارک ۱۱ بجے شب ملتان میں انتقال کر گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

وہ گزشتہ تین سال سے فالج، شوگر اور بلڈ پریشر کے مریض تھے۔ حال ہی میں ان پر فالج کے تین حملے ہوئے اور وہ جانبر نہ ہوسکے۔ مرحوم، مجلس احرارِ اسلام کے قدیم معاون تھے۔ تقسیم ہند سے قبل ہی ان کا تعلق اکابر احرار سے ہو گیا تھا۔ نہایت وضع دار، ملنسار اور دل کے سخی تھے۔ حضرت امیر شریعت رحمہ اللہ اور حضرت ابوذر بخاری رحمہ اللہ سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ دینی امور میں گہری دلچسپی لیتے اور علماء حق کا بے پناہ احترام کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور درجات بلند فرمائے۔ (آمین)

اراکین ادارہ حاجی صاحب کے تمام لواحقین و پسماندگان خصوصاً بھائی عبدالحفیظ اور بھائی محمد یوسف صاحب سے اظہار تعزیت کرتے ہیں اور مرحوم کے لئے دعاء مغفرت کرتے ہیں۔

چودھری محمد بشیر وینس مرحوم:

مجلس احرارِ اسلام چیچاوطنی کے معاون اور ہمارے کرم فرما محترم چودھری محمد عاطف صاحب کے والد ماجد چودھری محمد بشیر وینس گزشتہ ماہ رحلت فرما گئے۔ انہیں چیچاوطنی میں سپردِ خاک کیا گیا۔ اراکین ادارہ بھائی محمد عاطف اور دیگر پسماندگان سے تعزیتِ مسنونہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے (آمین)

ابو معاویہ بشیر چغتائی کو صدمہ:

مجلس احرار اسلام ملتان کے مخلص کارکن اور ہمارے کرم فرما ابو معاویہ بشیر چغتائی کے والد ماجد طویل علالت کے بعد ۲۸ جولائی ۹۶ء بروز اتوار انتقال کر گئے ہیں۔ اراکین ادارہ ابو معاویہ بشیر، بھائی محمد اقبال چغتائی اور پسماندگان سے اظہار تعزیت اور مرحوم کے لئے دعاء مغفرت کرتے ہیں۔

قارئین سے درخواست ہے کہ دونوں مرحومین کے لئے خاص طور پر دعاء مغفرت اور ایصالِ ثواب کا اہتمام فرمائیں (ادارہ)

دعاء صحت

مجلس احرار اسلام سیالکوٹ کے رکنِ رکین اور خاندانِ امیر شریعت کے کرم فرما محترم سالار عبدالعزیز کی اہلیہ علیل ہیں۔ اراکین ادارہ ان کی صحت کے لئے دعا گو ہیں۔ اور قارئین سے التماس ہے کہ وہ موصوفہ کی صحت یابی کے لئے مسلسل دعا کرتے رہیں۔

"جرأت تری احرار کا عنوانِ جلی ہے"

قربانی و ایثار کی تفسیر بخاری
ایمان کے گلزار کی ہے بادِ بہاری
یہ ایک حریفوں کے ہزاروں پہ ہے بھاری
واللہ زباں اس کی ہے شمشیر دودھاری
گفتار کی گرمی سے خیالات بدل دے
چاہے تو غلامی کی روایات بدل دے
اے قافلۂ ملتِ بیضا کے عناں گیر
جذبوں میں مچلتی ہے ترے جرأتِ شبیر
ہیں کوثر و تسنیم کی موجیں تری تقریر
لہجہ میں تڑپتی ہے ترے برشِ شمشیر
روشن ہوئی یہ بات ترے حسنِ عمل سے
ڈرتے نہیں توحید کے فرزند اجل سے
فطرت تری دامانِ شجاعت میں پلی ہے
جرأت تری احرار کا عنوانِ جلی ہے
غیرت تری ایمان کے سانچے میں ڈھلی ہے
لاریب کہ تو لختِ دلِ ابنِ علی ہے
نگراں تری عزت کا زمانے میں خدا ہے
اولادِ شمر معرکہ آرا ہے تو کیا ہے؟

قمرالحسنین

سیاسی مولوی

مینوں "وی آئی پی" داروگ لگا
میں کیہ کرساں "ابراراں" نوں؟
میں مجلس، مجلس اسمبلی دی
میں کیہ کرساں "اقداراں" نوں؟
میں کملی سدا حکومت دی
میں کیہ کرساں "احراراں" نوں؟
میں تے "مولی صاب" مسیت داساں
میں تے جندڑی پیا گھسیٹ داساں
اک ہتھ بدھا غلماں میں ساں
بھانویں حافظ پاک قرآن میں ساں
میں چودھری جی نوں ڈردا ساں
میں نوکر اوہدے گھر دا ساں
وَدھ مندا اوہدی شان سا میں
تے نت ہوندا قربان ساں میں
میں ایس حالت توں تنگ آیا
مینوں جیون دا اک ڈھنگ آیا
مینوں "وی آئی پی" دا روگ لگا
میں کیہ کرساں "ابراراں" نوں؟

پروفیسر محمد اکرام تائب

رنگِ سخن

مسائل زندگی کے کم نہ ہوں گے
کبھی بھی ختم اپنے غم نہ ہوں گے
بہت مشکل ہے یہ معلوم کرنا
کہ گاڑی کونسی بم نہ ہوں گے
یہ ٹی وی تو رہے گا تا قیامت
مگر انکل مرے سرگم نہ ہوں گے
طلاقیں ایسے ہی ہوتی رہیں گی
یہ سر جب تک تمہارے خم نہ ہوں گے
بیوٹی پارلر کے دم سے یارو
یہ دید سے اب کبھی پُر نم نہ ہوں گے
اک ایسا وقت ہے آنے کو تائب
مسائل ہوں گے لیکن ہم نہ ہوں گے

سید کاشف گیلانی۔ کراچی

مرزا کادیاں والا

ہندوستان میں اک مخبر تھا مرزا کادیاں والا
پاؤں سے سر تک شر ہی شر تھا مرزا کادیاں والا

کفر کبھی بھی بھیس بدل کر آیا نہ مذہب کا
کفر کی حد سے بھی بڑھ کر تھا مرزا کادیاں والا

مرزا کہتا تھا کنجر ہیں جو مجھ کو نہ مانیں
سچ تو یہ ہے خود کنجر تھا مرزا کادیاں والا

انگریزوں کے کہنے پر منسوخ جہاد کیا تھا
اُن کا پشتوں سے نوکر تھا مرزا کادیاں والا

اللہ نے خود عقد کرایا جس سے فلک پر اُس کا
تُم ہی کہو اُس کا شوہر تھا مرزا کادیاں والا

اپنے بارے میں گامے نے خوب کہا تھا یارو
"کیڑا ایک غلاظت پر تھا" مرزا کادیاں والا

وہ کہتا تھا "میں انساں کی جائے عار ہوں" لوگو
بس اِس بات میں حق پر تھا مرزا کادیاں والا

وہ یحییٰ تھا وہ موسیٰ تھا وہ عیسیٰ وہ مریم
دجل و فریب کا اک پیکر تھا مرزا کادیاں والا

اُس کا کلیجہ مُنہ کو نہ آیا جب یہ کہا میں نبی ہوں
وہ انسان تھا یا پتھر تھا مرزا کادیاں والا

اُس نے اپنے ماننے والوں کو دوزخ میں ڈالا
سوچو رہزن یا رہبر تھا مرزا کادیاں والا

ہم نے اُس کو کبھی نہ چھوڑا نہ اُسکو چھوڑیں گے
ہم سے ٹکرایا کیونکر تھا مرزا کادیاں والا

وہ یہ سمجھتا تھا دنیا کو میں چکر دے دوں گا
خود چکر میں گھن چکر تھا مرزا کادیاں والا

میرے بعد نبی نہ ہوگا آقا نے فرمایا
کون یہ مانے پیغمبر تھا مرزا کادیاں والا

کاشف اُس کو یاد نہیں تھا موت ہے اک دن آنی
کوئی کہے ایسا کیونکر تھا مرزا کادیاں والا

خادم حسین

شرابی جو ہے

یہ شہر یاراں ہیں جیب کترے، خراج لینا یہ چاہتے ہیں
کہ سود، رشوت کی لعنتوں کو رواج دینا یہ چاہتے ہیں

ہے رعنا، راسے، غرارہ بانو فراز و فہمیدہ عاصمہ سا
جو لنگڑم، لولا اور اندھا کانا سماج دینا یہ چاہتے ہیں

یہ قتل و "با برگری" سے لے کر پولس کے ظلم و ستم کو دیکھو
کہ غنڈہ گردوں کے بادشاہوں کو تاج دینا یہ چاہتے ہیں

شرابی جو ہے، یہ رندزادے، سراپا شیطاں، یہ مال زادے
جو جاہلیت کی کل تھیں باتیں، وہ آج دینا یہ چاہتے ہیں

وہ "راک وڈ" کے محل سے لے کر، مراج فائٹر خرید نے تک
بس "اندھی کھیلو" کا، چھینا جھپٹی کا راج دینا یہ چاہتے ہیں

یہ فر و کشور، شراب زادے، کریہہ، بدرو، کلال زادے
بنام بھٹو، خباثتوں کو رواج دینا یہ چاہتے ہیں

وہ "لودھی اظہر" کہاں ہے، یارو؟ "سہیل اظہر" سے جا کے پوچھو
حرام خوروں کو نامِ نامی جو "حاج" دینا یہ چاہتے ہیں

تم اچھلو کودو یا ناچو گاؤ، اسے "ہے جمالو" کی پیداوارو!
کہ بالا خانوں کا پرتعیش مزاج دینا یہ چاہتے ہیں

بفیضِ شورش، بلارعایت، یہ نظم میں نے لکھی ہے شاہ جی!
قلم فروشوں کو تودگرنہ، اناج دینا یہ چاہتے ہیں

نشاطِ ہستی جو چاہتے ہیں، ضمیر بیچیں، ضمیر کچلیں
ضمیر ثابت رہا اگر تو، خراج دینا یہ چاہتے ہیں

❖ ❖ ❖

حضرت صومعی کاشمیری

کتنی بدلی ہے زمانے کی ہوا تیرے بعد

(جیون ساتھی اختر سعیدہ کی وفات پر)

تو کہ معصوم تھی انوارِ سحر کی مانند
تری ہستی تھی چمن میں. گل تر کی مانند
ترے دم سے تھا محبت بھرے رشتوں کو ثبات
تری خوشبو سے مہکتے تھے درو بام حیات
کتنی دھندلی ہے رہِ عشق و وفا تیرے بعد
کتنی بدلی ہے زمانے کی ہوا تیرے بعد
میں ہمیشہ ترے اخلاق کا گرویدہ رہا
ترے حالات کی افتاد سے رنجیدہ رہا
تو وہ سادہ تھی کہ سائے سے بھی ڈر جاتی تھی
گھر کے آنگن میں بھی جاتے ہوئے گھبراتی تھی
آہ اب شہر خموشاں ترا مدفن ٹھہرا
دور جنگل میں ترا دائمی مسکن ٹھہرا
اب یہی خاک کی ڈھیری ترا گھر ہے بی بی
اس میں کھڑکی ہے نہ دروازہ نہ در ہے بی بی
اس خرابے پہ چڑیلوں کی عملداری ہے
جن کی فطرت ہی میں سفا کی وخونخواری ہے
میں بھی منزل گہِ ہستی کو رواں ہوں بی بی
یوں تو زندہ ہوں مگر زندہ کہاں ہوں بی بی
میں بھی آنے کو ہوں اے راحت جاں تیرے پاس
دشتِ ظلمات میں اے حورِ جناں تیرے پاس

بارگاہِ صمدیت میں صدا دیتا ہوں
تیری تُربت پہ کھڑا تجھ کو دعا دیتا ہوں
شافعِ روزِ جزا اپنا بنالیں تجھ کو
اپنے دامانِ شفاعت میں چھپالیں تجھ کو
رحمتِ حق تیرے درجات کو بالا کر دے
نورِیزداں تری تُربت میں اجالا کر دے
جانِ جاناں تری بے لوث محبت کو سلام
تری عزت تری حرمت تری عظمت کو سلام

(جولائی ۱۹۹۴ء لاہور)

فون بستانِ عائشہ: 511356 فون مدرسہ: 511961

طالبات کی دینی تعلیم و تربیت کی عظیم درسگاہ **مدرسہ بستانِ عائشہ**

میں دو نئی درسگاہیں زیرِ تعمیر ہیں اہلِ خیر سے التماس ہے کہ اس کارِ خیر کی تکمیل کے لئے
فوری طور پر اپنے عطیات ارسال فرمائیں (جزاکم اللہ تعالیٰ)
ترسیل زر کے لئے:
بذریعہ منی آرڈر: سید عطاء المحسن بخاری، دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان
بذریعہ بینک ڈرافٹ یا چیک: سید عطاء المحسن بخاری اکاؤنٹ نمبر 29932 حبیب بینک حسین آگاہی ملتان

واقعہ کربلا اور اس کا پسِ منظر (مولانا عتیق الرحمن سنبھلی)
ایک نئے مطالعے کی روشنی میں
تحقیق کی دنیا میں علماء اور دانشوروں سے دادِ تحسین وصول کرنے والی
نہایت متوازن اور مسلکِ حق کی ترجمان کتاب
قیمت 150 روپے (بخاری اکیڈمی مہربان کالونی ملتان)

ہماری چند اہم مطبوعات
ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

مواعظ حکیم الامت
۲۵ جلدیں

1. دنیا و آخرت
2. علم و عمل
3. دین و دنیا
4. حقوق و فرائض
5. میلاد النبی
6. نظامِ شریعت
7. حقیقتِ عبادت
8. حقیقتِ مال و جاہ
9. فضائل صبر و شکر
10. فضائل صوم و صلوٰۃ
11. حقیقت تصوف و تقویٰ
12. محاسنِ اسلام
13. دعوت و تبلیغ
14. جزا و سزا
15. تسلیم و رضا
16. برکاتِ رمضان
17. سنتِ ابراہیم
18. مفاسدِ گناہ
19. آدابِ انسانیت
20. حقوق الزوجین
21. تدبیر و توکل
22. ذکر و فکر
23. راہِ نجات
24. موت و حیات
25. حدود و قیود

قیمت کامل سیٹ ۲۵ جلد ۔/۲۹۰۳ روپے

تفسیر حل القرآن
عام فہم اردو تفسیر از حضرت علامہ مولانا حبیب احمد کیرانوی

پسندیدہ اور مکمل اصلاح فرمودہ! حضرت مجدد الملت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ عنوانات ہے: مولانا ظفیر الدین صاحب مدظلہ مرتب فتاویٰ دیوبند، کامل دو جلد ۔/۵۲۵ روپے

تفسیر انوار البیان
از حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری

سلیس عام فہم اردو زبان میں سب سے پہلی اور مفصل اور جامع تفسیر! چار جلدیں شائع ہو چکی ہیں فی جلد ۔/۲۴۰ روپے

تقریر ترمذی
المسک الذکی یعنی

از افادات حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

تحقیق و تحشیہ: حضرت مولانا مفتی عبد القادر صاحب شیخ الحدیث دار العلوم کبیر والا

مقدمہ: حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی رئیس الافتاء دار العلوم کراچی

کامل دو حصے اعلیٰ کاغذ خوبصورت جلد قیمت ۔/۲۴۰ روپے

کشکول مجذوب
(عارفانہ کلام)

از: حضرت خواجہ عزیز الحسن غوری مجذوب خلیفہ: حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ مندرجہ ذیل اضافہ کے ساتھ پاکستان میں پہلی بار شائع کیا ہے۔ اصلی گوہر، درس عبرت، پیغام بیداری، مسلم کی بیداری، مستر اور ملا کی نوک جھونک، اسلامی سہرہ، فغانِ بیوہ۔ رنگین ڈسٹ کور مضبوط جلد قیمت ۔/۱۵۰

دینی دستر خوان
جدید اسلامی انسائیکلوپیڈیا متعدد گلدستۂ اسلامی

کتب کا بیش بہا ذخیرہ۔ اسلامی ذوق رکھنے والوں کے لئے بیشمار معلومات ترتیب و کاوش حضرت عبد القیوم مہاجر مدنی۔ اکابر مفتیان کی تصدیق: حضرت مولانا عاشق الٰہی مہاجر مدنی، حضرت مفتی محمد حبیب مدنی مفتی مظاہر العلوم سہارنپور، حضرت مفتی عبد الستار صاحب خیر المدارس ملتان۔ دو جلد قیمت ۔/۵۵۵ روپے

تحفۃ العلماء
از افادات حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی

مولانا مفتی محمد زید صاحب (انڈیا) کے قلم سے درج ذیل کتابوں کا مجموعہ۔ العلم والعلماء۔ استاد و شاگرد کے حقوق۔ علوم و فنون اور نصاب تعلیم۔ فقہ حنفی کے اصول و ضوابط۔ آداب المناظرہ۔ استفتاء۔ اجتہاد و تقلید کا آخری فیصلہ۔ اصول مناظرہ۔ کامل دو جلد۔ جدید کتابت و طباعت ۔/۳۲۰ روپے

ملفوظاتِ حکیم الامت
از حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی

- اولیاء اللہ کے عجیب و غریب واقعات۔
- امثال و عبر کا بے مثال خزانہ۔
- یہ دس جلدوں کا مجموعہ پانچ ہزار نادر ملفوظات پر مشتمل ہے قیمت کامل سیٹ دس جلد مکمل سیٹ قیمت ۔/۹۳۰ روپے

حکیم الامت کے حیرت انگیز واقعات
از: افادات حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

دس اہم ابواب پر مشتمل ا۔ مختصر سوانح حیات ۲۔ عدل و انصاف ۳۔ عبدیت و فنائیت ۴۔ انداز تربیت ۵۔ قبولیت و بزرگی ۶۔ اہم واقعات ۷۔ اشرف اللطائف ۸۔ اشرف الملفوظات ۹۔ اشرف المعمولات ۱۰۔ تذکرہ گلدستہ اشرف۔ تقریباً ۶ سو صفحات پر مشتمل خوبصورت جلد قیمت ۔/۱۹۵

اشرف السوانح
از حکیم الامت حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

کے حالات و عادات، مقالات و تعلیمات، فیوض و برکات، کشف و کرامات، معمولات طبیہ پر مشتمل ہے اور مشعل راہ ہے۔

کامل چار جلد قیمت ۔/۵۷۰ روپے

کلیدِ مثنوی
حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت حکیم الامت نے اشعار مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے۔ یہ عظیم شرح خوبصورت ۲۴ جلدوں میں طبع ہو چکی ہے۔ تقریباً سات ہزار صفحات پر مشتمل۔ قیمت کامل سیٹ ۔/۱۹۹۵ روپے

اصلاحِ خواتین
عورتوں کی اصلاح و تربیت، تربیت اولاد

پردہ کے شرعی احکامات۔ عورتوں کی تعلیم کے اسلامی طریقے۔ تربیت النساء یعنی ۲۴۲ خطوط اور جوابات۔ خواتین کی اصلاح و تربیت کیلئے لاجواب اعلیٰ کاغذ و طباعت، خوبصورت جلد اعلیٰ ایڈیشن قیمت ۔/۱۶۵ روپے

عملیات و تعویذات کے شرعی احکام
از افادات حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ قیمت مجلد ۔/۹۰ روپے

اسلامی تہذیب
از: حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ قیمت مجلد ۔/۶۰ روپے

آدابِ تقریر و تصنیف
جلد ۔/۲۷ روپے

ہماری عربی مطبوعات

السنن الکبریٰ
البیہقی۔ مع۔ الجوہر النقی
کامل ۱۰ جلد قیمت ۔/۱۹۹۵ روپے

المواہب اللدنیہ
علی الشمائل المحمدیہ
از: علامہ الشیخ ابراہیم البیجوری رحمۃ اللہ علیہ
قیمت ۔/۶۰ روپے

اوجز المسالک شرح موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ
از: حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی
کامل ۱۵ جلد قیمت ۔/۳۰۰۰

مشکلات القرآن
از: حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ
مع ضمیمہ: یتیمۃ البیان
اعلیٰ کاغذ قیمت ۔/۲۱۰

نسیم الریاض
فی شرح الشفاء للقاضی عیاض
مع حاشیہ شرح الشفاء لملا علی قاری
(کامل ۴ جلد عربی)
قیمت ۔/۱۲۰۰

تفسیر البغوی
(معالم التنزیل)
علامہ ابن تیمیہ کی پسندیدہ تفسیر کامل ۴ جلد ۔/۹۹۹

امانی الاحبار شرح معانی الآثار
از: حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ
کامل ۴ جلد ۔/۹۰۰ روپے

لسان المیزان
از حضرت علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ
کامل سیٹ ۷ جلد خوبصورت جلد ۔/۱۵۷۵ روپے

نوٹ: جلد ۲۶ فضائل علم، جلد ۲۷ اصلاح اعمال (زیر طبع) نوٹ: اس فہرست کا ...

"ہے کوئی اِس جیسا شربت تو بتائیں؟"

قرشی

جامِ شیریں

"خالص قدرتی اجزاء کے عرقیات سے تیار۔ پانی میں فوراً حل ہو جاتا ہے اور طبیعت میں بھاری پن نہیں لاتا۔ اور ہاں ... اس میں عرقِ صندل بھی شامل ہے جو گرمی میں ٹھنڈک پہنچاتا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کا مزہ مجھے کیا سارے گھر کو بے حد پسند ہے!"

100 فیصد خالص 100 فیصد تسکین

MPL

Kinza

SQUASHES (1 Litre)
KETCHUP (1 Litre)
VINEGARS (1 Litre)

"Sharing the taste"

Quality and Economy Guaranteed

wily FOODS (PVT) LTD.
Chand Plaza, off lane 6, Peshawar Road, Rawalpindi Cantt
Phone: 862076

ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت ملتان کا

تاریخ ساز

امیرِ شریعت نمبر

(حصہ دوئم)

شائع ہو گیا ہے۔

- اردو زبان کے سب سے بڑے خطیب کے سوانح و افکار
- ایک تاریخ ✿ ایک دستاویز ✿ ایک داستان ✿ خاندانی حالات
- سیرت کے مجلا اوراق ✿ خطابتی معرکے ✿ سیاسی تذکرے ✿ بزم سے لیکر رزم

منبر و محراب سے لیکر دار و رسن تک

نصف صدی کے ہنگاموں، جہادی معرکوں، تہذیبی محاربوں، مذہبی سازشوں اور علمی محاذ آرائیوں کی فضا میں ایک آوازِ ھدایت جو بصیرت، حریت اور بغاوت کا سر چشمہ تھی۔

- خوبصورت سہ رنگا سرورق 576 صفحات
- قیمت 300 روپے

مستقل سالانہ خریداروں کے لئے خاص رعایت

صرف 200 روپے پیشگی منی آرڈر بھیج کر نمبر حاصل کریں۔

ترسیلِ زر کے لئے: سید محمد کفیل بخاری

مدیر مسؤل، ماہنامہ نقیب ختمِ نبوت، دارِ بنی ھاشم مہربان کالونی ملتان۔ فون: ۵۱۱۹۶۱